www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

01

حمد
(امیر مینائی)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
خلوت	تنہائی
جلوت	خلوت کا متضاد، تنہائی نہ ہونا، سرِ عام ہونا
باغبان	مالی، باغ کی دیکھ بھال کرنے والا
بے پردہ	عیاں، نشانیوں سے عیاں ہے
پنہاں	چھپا ہوا، پوشیدہ
عیاں	ظاہر
محرمِ راز	راز سے واقف
رازداں	راز جاننے والا

www.pakcity.org

خلاصہ:

اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ مخلوق کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ وہاں وہاں تک پہنچ سکے جہاں جہاں اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ لاکھ حجابوں میں بے حجاب ہے اور سیکڑوں نشانیوں کے باوجود اس کی کوئی نشانی نہیں۔ وہ تنہائی میں بھی ہے اور محفل میں بھی۔ وہ کائنات کی ہر چیز میں موجود ہے۔ میزباں اور مہماں وہی ہے۔ کائنات کے سارے رنگ اور خوشبو اسی کے ہیں، وہی اس باغ کا رکھوالا ہے۔ اے امیر! راز جاننے والے تو بہت ہیں مگر راز رکھنے والا وہی ہے۔

☆☆☆☆☆

شعر نمبر 1:

دوسرا کون ہے، جہاں تُو ہے
کون جانے تجھے، کہاں تُو ہے

تشریح: امیر احمد مینائی کا شمار مشہور نظم گو شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کا حمد یہ کلام عشقِ حقیقی سے لبریز ہے۔ زیرِ تشریح شعر میں وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ پاک تیرا کوئی ثانی نہیں۔ تیری ذات اور صفات میں کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے لیکن اس کی ذات کا تعین کرنا ممکن نہیں ہے۔ انسان کا شعور سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ کہاں کہاں ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ یہ ہے، یہاں ہے یا فلاں مقام پر ہے کیوں کہ کسی بھی شے کا تعین اُس وقت ہوتا ہے جب اس کے وجود کے بارے میں معلوم ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اُس وقت بھی تھی جب یہ کائنات اور اُس کی حدود تخلیق نہیں ہوئی تھیں۔

اے خالق تیرے جلوے کا پھیلا ہے نور زمانے میں
تو بستا ہے ہر بستی میں تو رہتا ہے ویرانے میں

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

امیر مینائی جہاں اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیری بیان کرتے ہیں وہاں مخلوق کی بے مائیگی کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ مخلوق میں سے کسی کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ وہاں پہنچ سکے جہاں جہاں ذاتِ خداوندی موجود ہے۔ مخلوق کی موجودگی زمانے کے اعتبار سے بھی محدود ہے کیوں کہ ایک وقت تھا جب خدا کے علاوہ کچھ نہیں تھا اور ایک وقت آئے گا جب ہر شے مٹ جائے گی۔ جب ایک صدا بلند ہو گی کہ اب کس کی حکومت ہے تو جواب آئے گا کہ اللہ واحد وقہار کی حکومت ہے۔ کائنات میں اللہ جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے۔

لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ o ''اُس جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: وَلَمۡ یَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا احد o ''اور اُس کا کوئی ہمسر نہیں''

اسی طرح مقامات کے اعتبار سے بھی مخلوق کے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہر جگہ پہنچ سکے اور تیسری بات یہ کہ مخلوق کا عقل وشعور بھی محدود ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لامحدود اور ہمہ گیر ہونے کا صحیح شعور بھی نہیں رکھتے۔ اصل میں انسان جب بھی کسی شے کا تعین کرتا ہے تو کوئی مثال کوئی نسبت اس کے ذہن میں موجود ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ذات ہے جسے کسی شے سے مثال نہیں دی جا سکتی۔ گویا اس کے ہونے کا احساس تو ہو سکتا ہے لیکن اس کے وجود کا تعین کرنا ممکن نہیں۔ کسی شے کی موجودگی اور جگہ کا تعین دوسری اشیا کے حوالے سے کیا جاتا ہے کہ یہ شے فلاں شے سے فلاں سمت میں ہے، اتنی دور ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے ہے۔ اس وقت بھی وہ تھا جب کوئی شے موجود نہیں تھی۔ وہ ہر جگہ ہے تو انسان کے عقل و فہم سے اس کی موجودگی اور ہمہ گیری بالاتر ہے۔ اکبر الٰہ آبادی کا کہنا ہے:

عقل میں جو گھر گیا لا انتہا کیوں کر ہوا
جو سمجھ میں آ گیا پھر وہ خدا کیوں کر ہوا

شعر نمبر 2: (بورڈ 2017ء)

لاکھ پردوں میں ہے تو بے پردہ
سو نشانوں پہ، بے نشاں تو ہے

تشریح: اللہ تعالیٰ لاکھ حجابوں میں بے حجاب ہے اور سیکڑوں نشانیوں کے باوجود اس کی کوئی نشانی نہیں۔

ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بہت سے پردے موجود ہیں لیکن ان پردوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ دوسری طرف اس کے ہونے کی بے شمار نشانیاں تو موجود ہیں لیکن اس کے وجود کا تعین کرنا ممکن نہیں۔ انسانی بصارت ایک حد تک ہی دیکھنے پر قدرت رکھتی ہے۔ کوئی شے انتہائی قریب ہو جائے یا بہت دور ہو جائے، تو انسان اس شے کو نہیں دیکھ سکتا۔ محدود قوتِ مشاہدہ رکھنے کے بل پر انسان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ ہر شے دیکھ سکتا ہے۔ انسان اور اللہ تعالیٰ میں بہت سے حجابات موجود ہیں۔ اللہ کی ہستی وہ ہستی ہے جو دکھائی نہیں دیتی۔ اُس ہستی کو آج تک کسی نے نہ دیکھا، نہ ہی کوئی دیکھ سکتا ہے۔ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے دُنیا سے اوجھل ہے اور انسان کی آنکھ اُس ذات کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

لا تدركه الابصار o ''آنکھیں اُس کو نہیں پا سکتیں۔''

اللہ تعالیٰ اگرچہ اپنی ذات کے اعتبار سے دنیا سے اوجھل ہے لیکن بہرحال اس کے ہونے کا احساس انسان کو رہتا ہے اور جب انسان اپنے گرد و پیش میں دیکھتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی کئی نشانیاں دکھائی دیتی ہیں۔ امیر مینائی دو مختلف حوالے سے ذاتِ باری تعالیٰ کی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان لاتعداد حجابات موجود ہیں۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ میں اور انسان میں کوئی پردہ موجود نہیں ہے۔

بے حجابی یہ کہ ہر ذرے میں جلوہ آشکار
اور حجاب ایسا کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

اقبالؒ کے بقول:

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر بھی جب کوہِ طور پر جاتے ہیں تو تجلی کو دیکھنے کی تاب نہیں لاتے اور بے ہوش ہو جاتے ہیں حجابات کی موجودگی کے باوجود اللہ کے ہونے کا احساس بہرحال ہوتا ہے۔ انسان چاہے اپنی ذات پر غور و فکر کرے یا کائنات پر اللہ کے ہونے کا احساس اسے ضرور ہوتا ہے۔

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھّم سے بادِ سازگار
خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نورِ آفتاب

ہر طرف اس کی بے شمار نشانیاں بکھری ہوئی ہیں۔ پھولوں کا کھلنا، ہواؤں کا چلنا، بارشوں کا برسنا، فصلوں کا تیار ہونا لیکن یہ بے شمار نشانیاں دیکھ کر بھی ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ہم نے اللہ کو دیکھا ہے۔ جس چیز اور دیکھنے والے کے درمیان پردہ یا آڑ موجود ہو اسے دیکھنا مشکل ہوتا ہے۔ جتنے پردے زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ اتنا ہی اسے دیکھنا دشوار ہوتا ہے۔ اسی طرح جس چیز کی جتنی زیادہ نشانیاں موجود ہوں اتنا ہی اسے دیکھنا اور اس کا تعین کرنا آسان ہوتا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ذات ہے کہ اس کے اور انسان کے درمیان لاتعداد پردے موجود ہیں لیکن وہ اپنے ہونے کا احساس دلاتا رہتا ہے اور بے شمار نشانیاں ہونے کے باوجود اسے دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے پردے میں اور بے نشان ہے۔ وہ اپنی صفات کے اعتبار سے بے پردہ ہے اور اُس کی بے شمار نشانیاں ہیں۔

شعر نمبر 3: (بورڈ 2007,17)

تُو ہے خلوت میں، تُو ہے جلوت میں
کہیں پنہاں، کہیں عیاں تُو ہے

تشریح: اللہ تعالیٰ تنہائی میں بھی ہے اور محفل میں بھی۔ کہیں وہ چھپا ہوا ہے اور کہیں وہ نمایاں ہے۔

انسان کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ کے وجود کا احساس ہوتا رہتا ہے۔ انسان اکیلا ہو یا محفل میں، اُسے اللہ تعالیٰ کے ہونے کا احساس مختلف انداز میں ہوتا رہتا ہے۔ کہیں غیر محسوس طور پر اور کہیں واضح انداز میں۔ انسانی زندگی کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔ کبھی انسان ایسے مقام پر ہوتا ہے جہاں اس کے گرد و پیش میں کوئی دوسرا ذی روح موجود نہیں ہوتا اور نہ ہی زندگی کی مختلف سرگرمیاں اس کے گرد و پیش میں ہو رہی ہوتی ہیں۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کی ہستی انسان کے ساتھ ہوتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَنحن اقرب الیه من حبل الورید ○ ''اور ہم اُس (انسان) کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں''

تنہائی میں جب انسان کو سوچنے کا موقع ملتا ہے وہ اپنے وجود پر، گرد و پیش پر، کائنات پر، اس کے خالق پر غور و فکر کرتا ہے۔ مختلف سوال انسان کے ذہن میں آتے ہیں جب انسان ان کا جواب تلاش کرتا ہے تو اسے اللہ کی ذات کے ہونے کا یقین ہونے لگتا ہے۔

کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے وہی خدا ہے
دکھائی بھی جو نہ دے نظر بھی جو آ رہا ہے وہی خدا ہے

اسی غور و فکر کے نتیجے میں انسان کو یہ احساس ہوتا ہے کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو اس کائنات کے نظام کو چلا رہی ہے۔ جب انسان کسی محفل میں موجود ہوتا ہے تو گرد و پیش دیکھ کر اسے خالقِ اکبر کے ہونے کا احساس ہوتا ہے کہ وہ کیسی بابرکت ذات ہے جس نے ایسی مخلوق کو پیدا کیا

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

ہے۔اسی طرح جب انسان اس کائنات پر نظر دوڑاتا ہے تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زمین، سورج، چاند کا متعین راستوں پر چلنا، نباتات کا اُگنا، بارش کا برسنا، ہواؤں کا چلنا، ہر شے اللہ تعالیٰ کے ہونے کا احساس دلاتی ہے۔ لیکن بعض اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ انسان ان معاملات پر غور نہیں کرتا تو ایسے میں ارادوں کا ٹوٹنا اللہ تعالیٰ کی پہچان کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ انسان جس حالت میں بھی ہو، تنہا ہو یا محفل میں اللہ تعالیٰ کے ہونے کا احساس کبھی تو غیر محسوس طور پر ہوتا ہے اور کبھی نمایاں انداز میں۔ یہ ممکن نہیں کہ باشعور انسان کو ایک ایسی ہستی کے ہونے کا احساس نہ ہو جو اس کائنات کے نظام کو چلا رہی ہے۔

''اور وہ تمھارے ساتھ ہے، تم کہیں ہو۔'' (القرآن)

شعر نمبر 4: (بورڈ 2007-2011)

نہیں تیرے سوا یہاں کوئی
میزباں تو ہے، مہماں تو ہے

تشریح: دنیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں، اس جہاں کا میزباں اور مہماں وہی ہے۔

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔ انسان نے جب سے سوچنا شروع کیا ہے تین موضوع اس کے سامنے موجود رہے ہیں۔ ایک انسان کی اپنی ذات، یہ کائنات اور خالقِ اکبر۔ ہر زمانے کے دانش وروں نے اپنی اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق ان موضوعات پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ صوفیائے کرام نے ان موضوعات کے بارے میں جو تصور ہمیں دیا ہے وہ وحدت الوجود کا تصور کہلاتا ہے۔ مسلمان صوفیا میں یہ تصور سب سے پہلے حسین بن منصور حلاج نے پیش کیا جسے باقاعدہ فلسفے کی صورت محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب فصوص الحکم میں دی جس کے مطابق ہر شے میں اللہ تعالیٰ موجود ہے چاہے کوئی وجود مستقل حیثیت کا مالک ہو یا عارضی ہو۔ میزبان ہو یا مہمان ہو اللہ تعالیٰ ہر چیز میں موجود ہے۔

صوفیائے کرام کا موقف یہ ہے کہ وجود کی دو قسمیں ہیں: 1) وجود حقیقی 2) وجود غیر حقیقی

وجود حقیقی وہ وجود کہلاتا ہے جو ہمیشہ سے موجود ہو اور ہمیشہ موجود رہے۔ جو اپنی موجودگی کے لیے کسی کا محتاج نہ ہو اور جس میں کسی بھی طرح کا تغیر و تبدل واقع نہ ہو۔ جب ہم اس معیار پر مخلوق کو پرکھتے ہیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ ایک وقت تھا جب کوئی شے موجود نہیں تھی۔ ایک وقت آئے گا جب ہر شے ختم ہو جائے گی۔ مخلوق اپنی موجودگی کے لیے متعدد چیزوں کی محتاج ہے اور تمام مخلوقات مسلسل تغیر و تبدل کے عمل سے گزر رہی ہیں۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ذات ہے جو وجود حقیقی یا ذات واجب کہلانے کی اہل ہے۔ اس کا میزبان ہونا تو آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔

ب
مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بت خانہ تھا
ہم سبھی مہمان تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا

جب اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور اس میں کوئی تغیر بھی واقع نہیں ہوا تو یوں اس کی حیثیت میزباں کی سی بھی ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور مہمان اس طرح کہ وہ مخلوق میں بھی جاری و ساری ہے۔

ب
ظہورِ آدمِ خاکی سے یہ ہم کو یقیں آیا
تماشا انجمن کا دیکھنے خلوت نشیں آیا

شعر نمبر 5: (بورڈ 2011)

رنگ تیرا، چمن میں بُو تیری
خوب دیکھا تو باغباں تو ہے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

تشریح: اس باغ میں پھولوں کی خوشبو اور رنگت میں تم ہی ہو اور اس باغ کو پالنے والی ذات بھی تمھاری ہے۔
کائنات کی ہر شے میں حسنِ الٰہی کی جھلک کو دیکھا جا سکتا ہے۔ جب کبھی ہم پھولوں پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کی رنگت اور خوشبو اللہ تعالیٰ کے ہونے کی گواہی دے رہی ہے۔ انھیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اسے وحدت الشہود کہتے ہیں کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کے ہونے کی گواہی بھی دیتی ہے اور ہر شئے میں اللہ تعالیٰ کی خوبیوں کو دیکھا بھی جا سکتا ہے اور جب زیادہ تفکر کیا جائے تو پھر یہ احساس ہوتا ہے کہ ان پھولوں کو پروان چڑھانے والی ہستی بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

لالہ و گُل میں ہے تیری نکہت
چاند تاروں میں ہے ضیا تیری

امیر مینائی کائنات کے حسن کو حسنِ ازل کا پرتو قرار دیتے ہیں کہ پھول اور خوشبو جو حسن کی، خوب صورتی کی علامت ہیں۔ ان کا وجود ذاتِ باری تعالیٰ سے وابستہ ہے۔ حسنِ الٰہی کا اظہار ہے تو ساتھ ہی ساتھ یہ احساس بھی دلاتے ہیں کہ اس حسن اور اللہ تعالیٰ کے درمیان خالق و مخلوق کا رشتہ بھی ہے۔ یہ ایک حقیقت کے دو پہلو نہیں بلکہ خدا خالق ہے اور حسن مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی وہ ہستی ہے جو کائنات کی خالق بھی ہے، اسے زندگی عطا کرنے والی بھی ہے، اسے حسن بخشنے والی بھی ہے اور اسی ہستی کا ہر شے میں ظہور بھی ہو رہا ہے۔

گُل و بُلبل، بہار میں دیکھا
ایک تُجھ کو ہزار میں دیکھا

مختصر یہ کہ کائنات کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جھلک نمایاں ہے۔ کائنات کے اِس باغ کے سب رنگ اللہ تعالیٰ کی بدولت ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی اِس باغ کا باغباں ہے وہی اس کا پالنے والا بھی ہے۔

پہنچتا ہے ہر اک مے کش کے آگے دورِ جام اس کا
کسی کو تشنہ لب رکھتا نہیں ہے لطفِ عام اس کا

شعر نمبر 6:

محرم راز تو بہت ہیں امیرؔ
جس کو کہتے ہیں رازداں، تو ہے

مفہوم: اے امیرؔ! دنیا کے راز جاننے والے تو بہت ہیں مگر رازوں پر پردہ ڈالنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔
دوسرا مفہوم: دنیا میں بہت لوگ ہمیں جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن صحیح معنوں میں دلوں کے بھید جاننے والی فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

☆☆☆☆☆

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

02

نعت
(ماہر القادری)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
مقصدِ تخلیق	کائنات کی تخلیق کا باعث
گریزاں	گریز کرنے والا، دور رہنے والا
اخلاق	اچھی عادتیں، پسندیدہ خصلتیں
صداقت	سچائی
اشکوں	آنسوؤں
سیراب	پانی سے بھرا ہوا
دہر	زمانہ، دنیا
مروّت	رواداری، لحاظ
وابستۂ داماں	دامن سے وابستہ، دامن تھامے ہوئے
اشک	آنسو

www.pakcity.org

خلاصہ: (بورڈ 2007-2011)

ہمارے ایمان کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کائنات کی تخلیق کا سبب ہیں اور آپ ﷺ سے دوری خدا سے دوری ہے۔ آپ ﷺ کا کردار سچائی ہے اور آپ ﷺ کا اخلاق قرآن مجید کی عملی صورت ہے۔ آپ ﷺ کا اسمِ مبارک جزوِ اذان وتکبیرِ اقامت ہے جس کی عظمت پر میں دل و جان سے فدا ہوں۔ آپ ﷺ کے آنسوؤں اور قربانیوں کے باعث دینِ اسلام دنیا کے کونے کونے میں پہنچا۔ آپ ﷺ نے انسانوں کو حیوانی سطح سے اٹھا کر تہذیب وتمدن کی معراج تک پہنچایا۔ آپ ﷺ کی رحمتیں بے حد وحساب ہیں ماہر القادری جیسا گناہ گار بھی آپ ﷺ کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہے۔

☆☆☆☆☆

شعر نمبر 1:

تو مقصدِ تخلیق ہے، تو حاصلِ ایماں
جو تجھ سے گریزاں، وہ خدا سے ہے گریزاں

تشریح: منظور حسین المعروف ماہر القادری کا شمار معروف نعت گو شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کا نعتیہ کلام عشقِ رسول ﷺ سے لبریز ہے۔ زیرِ تشریح شعر میں وہ بحضورِ سرورِ کونین ﷺ عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارے ایمان کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کائنات کی

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

تخلیق کا سبب ہیں اور آپ ﷺ سے دوری اللہ سے دوری ہے۔

ہمارا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رَسُولُ اللہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ ﷺ کی وجہ سے کائنات پیدا کی ہے۔ اگر حضور ﷺ کی ہستی نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ یہ کائنات نہ بناتے۔ حدیث قدسی ہے کہ اے رسول ﷺ اگر ہم آپ کو پیدا نہ کرتے تو یہ آسمان بھی نہ بناتے۔

سب کچھ تمھارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ تمھی تو ہو

ہمارا ایمان یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہو جائے تو اللہ بھی اس سے دور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ o ''جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو اطاعتِ رسول ﷺ کے ساتھ مشروط کیا ہے: ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری (رسول اللہ ﷺ کی) پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا''۔ جس طرح رسول ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اسی طرح رسول ﷺ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی اور رسول ﷺ سے دُوری اللہ سے دُوری ہے۔ ظاہر ہے جب انسان حضور ﷺ جیسی ہستی کو چھوڑ دے تو وہ اللہ سے بھی دور ہو جاتا ہے۔

تمھارے در کو جو چھوڑا تو در بدر بھٹکے
ترس گئی ہے جبیں سنگِ آستاں کے لیے
بیٹھنے کون دے ہے پھر اس کو
جو ترے آستاں سے اٹھتا ہے

ہم جن چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں ان میں مرکزی حیثیت عقیدۂ رسالت کو حاصل ہے۔ ہم اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں لیکن ہم نے اللہ کو دیکھا نہیں۔ حضور ﷺ نے ہمیں بتایا اور حضور ﷺ کو صادق اور امین جانتے ہوئے ہم توحید پر ایمان لے آئے۔ آخرت ہم نے دیکھی نہیں لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت آنی ہے۔ ہمیں اپنے اعمال کا جواب دہ ہونا ہے۔ جزا و سزا کو پہنچنا ہے تو ہم ایمان لے آئے۔ ہم نے فرشتوں کو نہیں دیکھا۔ جنت یا دوزخ نہیں دیکھی۔ آسمانی صحیفوں کو نازل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں تو صرف اس لیے کہ حضور ﷺ نے ایسا فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ہمارے ایمان میں مرکزی حیثیت حضور ﷺ کی ہستی ہیں۔

سب سے اعلیٰ تیری، سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمانِ مفصل کا یہی ہے مجمل

شعر نمبر 2: (بورڈ 2008)

کردار کا یہ حال، صداقت ہی صداقت
اخلاق کا یہ رنگ کہ قرآں ہی قرآں

تشریح: حضور ﷺ کا ہر عمل اور ہر بات سچائی کی آئینہ دار ہے اور آپ ﷺ کا اخلاق قرآن کی عملی صورت کا نام ہے۔

حضور ﷺ کی گفتار و کردار کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں حضور ﷺ کی ذات، سچائی اور صداقت کا دوسرا نام محسوس ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کی سچائی اور صداقت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے بدترین دشمن بھی آپ ﷺ کی صداقت کی گواہی دیتے تھے۔ جب حضور ﷺ نے اہل مکہ کو اکٹھا کر کے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

اسلام کا پیغام پہنچایا تو دعوتِ حق دینے سے پہلے ان سے ایک سوال کیا کہ: ''اگر میں کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک لشکر تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم یقین کرلو گے؟'' اہلِ مکہ نے جواب دیا کہ: ''بے شک ہم یقین کرلیں گے''۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''فرض کرو کہ تم پہاڑ پر چڑھتے ہو اور تم یہ دیکھتے ہو کہ کوئی لشکر نہیں آرہا، تو پھر کیا کہو گے؟'' آپ ﷺ کے اس سوال کے جواب میں اہلِ مکہ نے جو تاریخی جواب دیا وہ حضور ﷺ کی سچائی اور صداقت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ جب آپ ﷺ نے اُن سے یہ سوال کیا تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم یہ سمجھیں گے کہ ہم اندھے ہو گئے ہیں لیکن ہم آپ ﷺ کی باتوں کو نہیں جھٹلا سکتے کیوں کہ ''ہم نے آج تک آپ کی زبان سے سچ کے علاوہ کچھ نہیں سنا'' ایسا کیوں نہ ہو کہ جب اللہ فرماتا ہے کہ ''رسول اپنی مرضی سے نہیں بولتا مگر وہی کچھ بولتا ہے جو وحی کی جاتی ہے۔''

مشرکینِ مکہ اگرچہ آپ ﷺ کے مخالف تھے لیکن آپ ﷺ کی صداقت اور سچائی کا اعتراف کرتے تھے۔ چناں چہ آپ ﷺ مکہ میں ''صادق اور امین'' کے لقب سے مشہور تھے۔ شعر کے دوسرے مصرعے میں ماہر القادری حضور ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ حضور ﷺ کا اخلاق قرآن کی عملی صورت دکھائی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ

اِنک لعلٰی خلقٍ عظیم o ''بے شک آپ ﷺ اخلاق کے بلند ترین درجے پر فائز ہیں۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ہستی کو ہمارے لیے کامل ترین نمونہ قرار دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کا اخلاق کیسا تھا؟ فرمایا۔ ''تم نے قرآن پڑھا ہے؟'' وہ شخص کہنے لگا۔ ''ہاں پڑھا ہے۔'' تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

کان خلقهُ القرآن o ''حضور ﷺ کا اخلاق قرآن ہے۔''

حضور ﷺ نے اپنے کردار اور اخلاق کو اہلِ عرب سے منوانے کے لیے چالیس سال کا عرصہ صرف کیا۔ وجہ یہ ہے کہ کسی بھی فرد کی بات اسی وقت وقعت رکھتی ہے جب اس کا کردار اعلیٰ ہو۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے یہاں مسلمان جب پناہ گزین تھے تو اس نے بھی حضور ﷺ کے کردار کے بارے میں ہی دریافت کیا تھا۔ جب ہم حضور ﷺ کی سیرت و کردار کو دیکھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کی عملی تفسیر کو دیکھ رہے ہیں۔ جس طرح قرآن میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں اسی طرح کردارِ رسول ﷺ میں بھی کوئی جھول یا کمی دکھائی نہیں دیتی۔

شعر نمبر 3: (بورڈ 2008)

کیا نام ہے، شامل ہے جو تکبیر و اذاں میں
اس نام کی عظمت کے ہیں قربان، دل و جاں

تشریح: آپ ﷺ کا اسمِ مبارک جزوِ اذان و تکبیرِ اقامت ہے جس کی عظمت پر میں دل و جان سے فدا ہوں۔

حضور ﷺ کا نام ''محمد رَّسُولُ اللہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ ﷺ'' بہت پیارا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس نام کو بہت بلندیوں اور رفعتوں سے نوازا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ورَفعنا لک ذکرک o اور (اے رسول ﷺ!) ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا ہے۔

اذان و اقامت جو اللہ تعالیٰ کی عظمت، وحدانیت کا اعلان اور نماز کی طرف دعوت کا نام ہے اس میں حضور ﷺ کا اسمِ گرامی بھی شامل ہے۔ گویا حضور ﷺ کے بغیر نہ تو انسان کا ایمان کامل ہو سکتا ہے اور نہ ہی عبادات مکمل ہو سکتی ہیں۔ ایمان اور عبادات اُسی وقت مکمل ہو سکتے ہیں جب حضور ﷺ کی اتباع موجود ہو۔ اذان میں اس نام کی شمولیت واضح کرتی ہے کہ حضور ﷺ کے بغیر نہ تو عبادت کا حق ادا ہو سکتا ہے اور نہ ہی انسان اطاعتِ الٰہی کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے۔ ماہر القادری کا موقف یہ ہے کہ حضور ﷺ کا نام اتنا عظیم ہے کہ اذان اور اقامت میں شامل ہے۔ چوں کہ دنیا میں ہر وقت اذان اور اقامت کی صدائیں کسی نہ کسی خطے پر گونجتی رہتی ہیں اس لیے حضور ﷺ کا نام بھی ہر وقت کہیں نہ کہیں لیا جا رہا ہوتا ہے۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

دوسرے مصرعے میں ماہر القادری حضور ﷺ کے نام سے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ کے نام کی عظمت کو دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ انسان اس نام پر اپنی زندگی قربان کر دے۔ کسی شے کی اہمیت یا قدر و منزلت کا انحصار نسبت پر ہوتا ہے۔ جب کسی شے کی نسبت کسی اہم ہستی یا مقام سے ہو جائے تو وہ معزز و محترم ہو جاتا ہے۔ سبز اور سفید رنگ کے کپڑے سے لوگ لباس بناتے ہیں لیکن جب ایک خاص لمبائی چوڑائی میں اسے کاٹ کر اس پر چاند تارا بنا دیا جائے تو وہ قومی پرچم کہلاتا ہے۔ جس کا احترام ہر پاکستانی پر واجب ہو جاتا ہے۔ سیاہ رنگ کا کپڑا خانہ کعبہ کا غلاف بن جائے تو لوگ عقیدت سے اسے چومتے ہیں۔ جوں جوں نسبت بلند ہوتی جائے اسی اعتبار سے منسوب بھی اہم ہو جاتا ہے۔ اب خدا تعالیٰ کی عظمت و بلندی کا تصور بھی انسان کے لیے ممکن نہیں جو نام اللہ کے نام کے ساتھ اذان و اقامت کا جزو بن جائے۔ اس کی عظمت کا اندازہ لگانا بھی ممکن نہیں۔ دل و جان قربان کرنا محبت کا اظہار ہے اور حضور ﷺ سے محبت ایمان کی تکمیل کی علامت ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”تم میں سے کسی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک میں
(رسول اللہ ﷺ) اسے کائنات کی ہر شے سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں“

اور محبت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ انسان جس ہستی سے محبت رکھتا ہو اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار رہے۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جب غزوۂ احد میں حضور ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے تو اویس رحمۃ اللہ علیہ نے حبِ رسول ﷺ سے مغلوب ہو کر اپنے سارے دانت توڑ ڈالے۔

شعر نمبر 4: (بورڈ 2017ء)

اشکوں سے ترے، دین کی کھیتی ہوئی سیراب
فاقوں نے ترے دہر کو بخشا سروسامان

تشریح: حضور ﷺ کے آنسوؤں سے دینِ اسلام دنیا کے کونے کونے تک پہنچا اور آپ ﷺ کے فاقوں کی وجہ سے مسلمانوں کو دنیا کی ہر نعمت میسر ہوئی۔

حضرت محمد رَسُولُ اللہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖن ﷺ کا ارشاد ہے: ”ابتدا میں اسلام کمزور تھا۔“ آپ ﷺ کی ابتدائی تبلیغ کی وجہ سے گنتی کے چند لوگ مسلمان ہوئے اور بڑی تعداد میں مشرکینِ مکہ آپ ﷺ کے مخالف ہو گئے۔ ایسے میں آپ ﷺ نے اللہ کے حضور رو رو کر اسلام کی ترویج کے لیے دُعائیں کیں۔ سیرتِ نبوی ﷺ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ حضور ﷺ رو رو کر اُمت اور اسلام کے لیے دُعائیں مانگا کرتے تھے۔ بدر کے میدان میں بھی حضور ﷺ نے یہ دُعا فرمائی کہ اے اللہ! ان گنتی کے چند لوگوں کی مدد فرما ورنہ دنیا میں تیرا نام لیوا کوئی نہ رہے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جن دنوں حضور ﷺ بیمار تھے۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ بستر سے اٹھے۔ گھر سے باہر نکلے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں بھی حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے جا پہنچی۔ دیکھا کہ حضور ﷺ بارگاہِ خداوندی میں ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ کی آواز گلوگیر ہو رہی تھی اور آپ ﷺ کے آنسو جاری تھے۔ اس حالت میں آپ ﷺ امتِ مسلمہ کی بہتری و بھلائی کی دعا فرما رہے تھے۔

انسانیت سے حضور ﷺ کی محبت کے نتیجے میں دین حق کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی رشد و ہدایت کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی (پیغمبر) بھیجے۔ قرآن مجید میں بہت تھوڑے انبیا کا تذکرہ ہے جن کے واقعات سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر نبی کی زندگی میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب وہ اپنی امت سے مایوس ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کو اُس امت پر عذاب بھیجنا پڑا۔ اس کے برعکس حضرت محمد رَسُولُ اللہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖن ﷺ نے ہر مخالفت کو برداشت کیا۔ ہر مصیبت کو سہا، آپ ﷺ عبادت کر رہے ہوتے تو کفارِ مکہ آپ ﷺ کی پشت پر اونٹ کی اوجڑی رکھ دیتے۔ گلیوں سے گزرتے تو لوگ کوڑا کرکٹ

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

پھینکتے، پتھر مارتے، لہولہان ہوجاتے لیکن کبھی کسی کے حق میں بددعا نہیں کرتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرماتے کہ لوگوں کو سچائی پہچاننے کی توفیق عطا فرما۔ آپ ﷺ کے حسنِ سلوک کے نتیجے میں لوگوں کی ایک کثیر تعداد ایمان لے آئی۔ آپ ﷺ نے کبھی زندگی کی آسائش جمع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور جو دستور مسلمانوں کو عطا کیا اُس پر چلتے ہوئے مسلمانوں کو زندگی کی ہر آسائش حاصل ہوگئی۔ خود فاقے کیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد ہے کہ تین دنوں میں ایک دن ضرور ایسا آتا تھا کہ جب گھر میں کھانے پینے کے لیے کچھ موجود نہیں ہوتا تھا اور ہمیں فاقہ کرنا پڑتا تھا۔ بعض اوقات کھانے پینے کی چیزیں موجود بھی ہوتیں لیکن کوئی سوالی آجاتا یا اصحاب صفہ کو ضرورت ہوتی تو حضور ﷺ کھانے پینے کی چیزیں وہاں بھیج دیتے۔ غزوۂ خندق کے دوران میں دوسرے کئی مسلمانوں کے ساتھ حضور ﷺ نے بھی پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔ رحمتِ دو جہاں نے خود ہر طرح کی زحمت اٹھائی لیکن دنیا والوں کو ہر طرح کی نعمتیں عطا کر دیں۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بَر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

شعر نمبر 5: (بورڈ 2017ء)

انسان کو شائستہ و خوددار بنایا
تہذیب و تمدن، ہوئے شرمندۂ احساں

تشریح: آپ ﷺ نے انسان کو مہذب اور معزز بنایا۔ دُنیا کی ساری تہذیبیں آپ ﷺ کی احسان مند ہیں۔

حضرت محمد رَسُولُ اللہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖن ﷺ سے پہلے انسان جہالت، ناتہذیبی، فرقہ بندی اور حیوانی رویوں کا شکار تھا۔ انسان اپنے جیسے انسانوں کے سامنے سر جھکانے پر مجبور تھا۔ اس کی زندگی حیوانوں سے بدتر تھی۔ آپ ﷺ کا ظہور عرب معاشرے میں ہوا جو کئی بُرائیوں کا شکار تھا۔ معمولی بات پر ہونے والے جھگڑے برسوں کی جنگوں پر محیط ہو جاتے تھے۔ انسان کو غلام بنا کر رکھا جاتا تھا اور اُس پر طرح طرح کے ظلم کیے جاتے تھے۔ سود کا نظام تھا، معاشرے میں عورت کی کوئی حیثیت نہ تھی، بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ غرض انسان کئی بُرائیوں میں مبتلا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے مجلسی زندگی کے آداب سکھائے اور اُسے شائستگی عطا کی۔

جس نے تہذیب و تمدن کو مؤدب کر دیا
وحشیوں، صحرا نشینوں کو مہذب کر دیا

انسان کی عزتِ نفس کو بحال کیا اور زندگی گزارنے کے لیے ایک ایسا دستور دیا جو صرف عبادات کا مجموعہ نہیں تھا بلکہ اس میں زندگی کی ہر بات اور ہر معاملے کے لیے راہ نمائی موجود تھی، انسانی تہذیب وتمدن جو ہزاروں سالوں سے موجود تھا اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود انسان دشمنی اور حیوانی رویّوں کو ترک نہیں کرسکا تھا۔ حضور ﷺ نے جو پیغام پہنچایا اُس کے نتیجے میں انسانی تہذیب نے ارتقا کا ایک نیا مرحلہ طے کیا اور مسلمان جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر ساری دنیا میں اس پیغام کو لے کر پہنچے اور دنیا صحیح معنوں میں تہذیب وتمدن سے آگاہ ہوئی۔

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیرا
پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

یوں تو تہذیب وتمدن کے مختلف انداز ہیں لیکن تہذیبی زندگی کے دو زاویے بہت اہم ہیں۔ ایک بدوی زندگی اور دوسرا شہری یا تمدنی زندگی۔ زندگی گزارنے کے یہ انداز اکثر اوقات ایک دوسرے کے خلاف صف آرا نظر آتے ہیں۔ دنیا کی بیشتر تہذیبیں بدوی زندگی گزارنے والوں کے ہاتھوں تباہ وبرباد ہوئیں۔ اسلام کا معجزہ یہ ہے کہ بیشتر عرب بدوی زندگی بسر کرتے تھے لیکن انھوں نے تہذیب وتمدن کو تباہ وبرباد کرنے کے بجائے اسے ایک نئی زندگی عطا کی۔

شعر نمبر 6:

رحمت کا یہ عالم ہے، مروّت کا یہ انداز
ماہر سا گنہگار ہے، وابستۂ داماں!

مفہوم: حضور ﷺ کی یہ بے پایاں رحمت، شفقت اور حسنِ سلوک ہے کہ ماہر جیسا گناہ گار بھی آپ ﷺ کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہے۔

☆☆☆☆☆

www.pakcity.org
pakcity.org EDUCATION

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

03

تسلیم و رضا
(نظیرؔ اکبر آبادی)

مشکل الفاظ و تراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
فقر	درویشی
اقبال	بلندی
افلاس	غربت، غریبی
یار	دوست، اللہ تعالیٰ
ادبار	بدنصیبی، نحوست، مفلسی
شال	چادر
جنجال	مصیبت، آفت
عالَم	کیفیت
گدڑی	فقیروں کا جُبّہ
خُرّم	خوش

www.pakcity.org

خلاصہ: (بورڈ 2008,16,18)

جو لوگ فقر اختیار کر لیتے ہیں وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُنھیں دولت عطا کرے یا مفلس کر دے، اُنھیں خوش قسمت بنائے یا بد قسمت، اُنھیں اپنے وطن میں اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ رہنے کا موقع دے یا اُنھیں ہجرت کرنی پڑے، اُنھیں عمدہ لباس ملے یا معمولی، اُنھیں غم والم اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے یا ماتم کا، وہ زندہ رہیں یا موت کا سامنا کرنا پڑے، وہ ہر وقت، ہر انداز، ہر مقام اور ہر حال میں خوش رہتے ہیں۔ نظیرؔ! ایسے فرشتہ صفت ولی بہت کم ہیں جو ہر حال میں خوش رہتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

بند نمبر 1:

(بورڈ 2009)

جو فقر میں پورے ہیں وہ ہر حال میں خوش ہیں
ہر کام میں، ہر دام میں، ہر حال میں خوش ہیں
گر مال دیا یار نے تو مال میں خوش ہیں
بے زر جو کیا تو اسی احوال میں خوش ہیں
افلاس میں، ادبار میں، اقبال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

تشریح: نظیر اکبر آبادی کا شمار مشہور نظم گو شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کی شاعری میں عوامی، فطرتی اور اخلاقی موضوعات کثرت سے ملتے ہیں۔ نظم ''تسلیم و رضا'' میں انھوں نے اس نکتے کو اجاگر کیا ہے کہ اگر کوئی فقر اختیار کرے تو ہمیشہ خوش رہتا ہے۔ زیرِ تشریح بند میں وہ کہتے ہیں کہ جو لوگ فقر اختیار کر لیتے ہیں وہ کوئی کام کر رہے ہوں، اُنھیں جیسے بھی حالات کا سامنا ہو، اللہ تعالیٰ اُنھیں مال و دولت سے نوازے یا غربت دے، وہ ترقی کے راستے پر گامزن ہوں یا زوال پذیر ہوں، قسمت ان کا ساتھ دے یا نہ دے، وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو مکمل انسان کہلوانے کے حق دار ہیں۔

حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''فقیری میرے لیے فخر کا باعث ہے۔''

فقر سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنا سب کچھ خدا کے راستے پر قربان کرنے کے لیے تیار رہے۔ انسان کے پیشِ نظر صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی ہو۔ انسانی زندگی میں اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ کبھی مال و دولت ہے تو کبھی نہیں۔ یہ دونوں صورتیں ہی اپنے اندر آزمائش رکھتی ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ

''ہم اپنے بندوں کو کبھی نعمتوں کی فراوانی سے اور کبھی نعمتوں میں کمی کر کے آزماتے ہیں۔''

اگر دولت کی فراوانی ہو تو ضروری ہے کہ اسے اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق خرچ کیا جائے۔ ارشاد ہے:

''اے رسول ﷺ یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ہم اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں تو ان سے کہہ دیجیے کہ جو کچھ تمھاری ضرورت سے زیادہ ہو''

اگر دولت موجود نہ ہو تو گھبرانا نہیں چاہیے کہ دولت تو چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔

؎ یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الہ الا اللہ

عام انسان جب مالی مشکلات میں مبتلا ہوتا ہے تو گھبرا جاتا ہے کیوں کہ وہ معاشرہ جو معاشی ناہمواری کا شکار ہو وہاں مفلس کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔

؎ باعثِ رسوائیِ عالم ولی
مفلسی ہے مفلسی ہے مفلسی

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ

''مفلس اپنے وطن میں بھی پردیسی ہوتا ہے۔''

مفلس پر لوگ اعتبار کرنا چھوڑ دیتے ہیں:

؎ مرد کا اعتبار کھوتی ہے
مفلسی سب بہار کھوتی ہے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

دن ہو تو مفلس کے لیے اسے گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ رات ہو تو رات کاٹنی دوبھر ہو جاتی ہے۔

؎ غریبوں کے جہاں میں وقت بھی رک رک کے چلتا ہے
کہیں صبحیں نہیں ہوتیں کہیں راتیں نہیں ہوتیں

نظیرؔ اکبر آبادی کا موقف یہ ہے کہ جب کوئی شخص فقر اختیار کر لیتا ہے تو پھر معاشی اتار چڑھاؤ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عروج و زوال بے معنی ہو جاتا ہے۔ وہ ہر حال میں خوش و خرم رہتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خوشی کا تعلق مالی وسائل سے نہیں ہوتا بلکہ یہ دلی و ذہنی کیفیت ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس دولت کی فراوانی تو ہوتی ہے لیکن وہ خوشی سے محروم رہتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ فقر اختیار کر لیتے ہیں وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں۔

بند نمبر 2: (بورڈ 2016ء)

گر یار کی مرضی ہوئی، سر جوڑ کے بیٹھے
گھر بار چھڑایا تو وہیں چھوڑ کے بیٹھے
موڑا انھیں جیدھر، وہیں منہ موڑ کے بیٹھے
گدڑی جو سلائی تو وہی اوڑھ کے بیٹھے
اور شال اڑھائی تو اسی شال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

تشریح: جو لوگ فقر اختیار کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ اُنھیں اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ رہنے کا موقع دے یا اُنھیں ہجرت کرنا پڑے وہ ہر لمحہ اس کی اطاعت میں سر جھکائے رہتے ہیں۔ اگر اُنھیں پھٹے پرانے کپڑے پہننا پڑیں یا قیمتی لباس مل جائے وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو مکمل انسان کہلوانے کے حق دار ہیں۔

ہر جاندار کو اپنی سرزمین سے محبت ہوتی ہے۔ ایک پودے کو اگر ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لگا دیں تو عارضی طور پر وہ مرجھا جاتا ہے۔ سرد علاقوں میں رہنے والے پرندے برف باری کے موسم میں ہجرت کر کے میدانی اور صحرائی علاقوں میں آ جاتے ہیں۔ لیکن جوں ہی موسم ساز گار ہوتا ہے وہ اپنی سرزمین پر پلٹ جاتے ہیں۔ یہی صورت انسانوں کی بھی ہوتی ہے کہ انسان کو اپنی سرزمین سے گہرا لگاؤ ہوتا ہے کیوں کہ انسان کی زمین اس کی پہچان ہوتی ہے۔

؎ مری زمیں ہی مرا آخری حوالہ ہے
سو میں رہوں نہ رہوں اس کو بارور کر دے

اگر انسان کو اپنا وطن چھوڑ کر کہیں جانا پڑے تو وطن سے دوری کا احساس انسان کو غم زدہ کر دیتا ہے۔

؎ بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

اگر انسان اپنے وطن میں اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ زندگی گزار رہا ہو تو وہ خوش رہتا ہے۔ لیکن جو لوگ فقر اختیار کر لیتے ہیں اُنھیں وطن چھوڑنا بھی پڑے تو وہ خوش باش رہتے ہیں۔ اگر حکمِ خداوندی آ جائے تو ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اپنے شیر خوار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو عراق سے لے کر نکلتے ہیں اور اُنھیں مکے کی بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ دیتے ہیں جب بی بی ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دریافت کرتی ہیں کہ ہمیں کس کے سہارے چھوڑے جا رہے ہیں تو جواب ملتا ہے کہ اللہ کے سہارے۔ اللہ کا حکم ہوتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ سے یہ کہتے ہوئے مدینہ منورہ

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

روانہ ہو جاتے ہیں کہ

''شہر مکہ! تجھ سے بچھڑنے کا مجھے بڑا دُکھ ہے لیکن مکے والے اب مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔''

جس طرح انسان اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ زندگی گزارنے میں خوشی محسوس کرتا ہے اسی طرح وہ لباس کے حوالے سے بڑا احساس ہوتا ہے۔ انسان چاہتا ہے جو لباس وہ پہنے اسے سراہا جائے، اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ جو لوگ فقر اختیار کر لیتے ہیں وہ لباس کو اہمیت نہیں دیتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو لباس زیب تن کرتے تھے بعض اوقات گرتے پر ایک کندھے سے دوسرے کندھے تک تین تین پیوند لگے ہوتے تھے۔ قیمتی لباس پہن کر تو ہر کوئی خوشی محسوس کرتا ہے۔ دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ اگر پھٹا پرانا لباس میسر ہو تو انسان کیسا محسوس کرتا ہے۔ نظیرؔ اکبر آبادی کا موقف یہ ہے کہ جو لوگ فقر اختیار کر لیتے ہیں ان کے لیے ظاہری نمود و نمائش کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ وہ بوسیدہ لباس میں بھی خوش رہتے ہیں چاہے لباس میں کتنے ہی پیوند کیوں نہ لگے ہوں۔ وہ اس کی پروا نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک اللہ کی خوشنودی اہمیت رکھتی ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ عمدہ لباس کے حصول کا انحصار مالی حالت پر ہوتا ہے اور فقر اختیار کرنے والے دولت جمع کرنے کی بجائے اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کرنا اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں۔ اس لیے عمدہ لباس ان کے لیے ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔

بند نمبر 3:

گر اُس نے دیا غم تو اسی غم میں رہے خوش
اور اس نے جو ماتم دیا، ماتم میں رہے خوش
کھانے کو ملا کم تو اسی کم میں رہے خوش
جس طور کہا اُس نے، اُسی عالم میں رہے خوش
دکھ درد میں، آفات میں، جنجال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

تشریح: جو لوگ فقر اختیار کر لیتے ہیں اگر اُنھیں غم اُٹھانا پڑے، اُنھیں ماتم دیکھنا پڑے، اُنھیں کھانے کو کم ملے، کوئی مصیبت یا پریشانی ہو وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو مکمل انسان کہلوانے کے حق دار ہیں۔

زندگی کبھی ایک حالت پر برقرار نہیں رہتی۔ اس میں طرح طرح کے اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ اگر انسان اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزار رہا ہو۔ وہ جو چاہے اسے مل جائے تو وہ خوش رہتا ہے۔ اس کے برعکس اگر انسان کی خواہشات پوری نہ ہوں، اس کا کوئی ارمان ادھورا رہ جائے، کوئی خواب ٹوٹ جائے تو انسان کو دُکھ ہوتا ہے لیکن جو لوگ فقر اختیار کر لیتے ہیں وہ کسی چیز کی محرومی پر دُکھی نہیں ہوتے کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی امانت ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

''ہم نے اہلِ ایمان سے جنت کے بدلے ان کی جان، مال اور اولاد کو خرید لیا ہے''

نظیرؔ اکبر آبادی کا موقف یہ ہے کہ فقر اختیار کرنے والے دُکھ درد کو بھی اللہ کی مہربانی سمجھتے ہیں۔

ے مری افتادگی بھی میرے حق میں اس کی رحمت تھی
کہ گرتے گرتے بھی میں نے لیا دامن ہے تھام اس کا

ایسے لوگ اللہ کی طرف سے ملنے والے دُکھوں کو بھی نعمت سمجھتے ہیں۔

ے جو کچھ بھی تیرے در سے ملا ہے زہے نصیب
غم ہی ملا تو کیا ہوا دامن تو بھر گیا

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

جب فقر اختیار کرنے والوں پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ پریشان نہیں ہوتے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

''جب اللہ کے شکر گزار بندوں پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں
کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

بات صرف غم و الم تک محدود نہیں بلکہ اگر انھیں کھانے پینے کو کم ملے تو وہ پریشان نہیں ہوتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''تین دنوں میں سے ایک دن ضرور ایسا آجاتا تھا جب گھر
میں کھانے پینے کے لیے کوئی شے موجود نہیں ہوتی تھی۔''

شعبِ ابی طالب میں اڑھائی پونے تین سال کا عرصہ ایسے گزارنا پڑا کہ بعض اوقات کھجور کی گٹھلیاں پیس کر آٹا بنایا جاتا اور روٹی پکائی جاتی تھی۔ کبھی درختوں کی جڑیں ابال کر کھاتے تو کبھی مشک کے ٹکڑے اُبال کر نمک ڈال کر تناول کرتے۔ اس عالم میں قریشِ مکہ یہ پیش کش لے کر آئے کہ اگر آپ کو دولت چاہیے تو ہم آپ کو اس پہاڑ کے برابر سونا چاندی جمع کر دیتے ہیں۔ اگر حکومت چاہیے تو ہم آپ کو اپنا سردار مانے لیتے ہیں اور اگر کہیں شادی کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس پر بھی راضی ہیں اور چاہیں تو یہ تینوں چیزیں حاضر ہیں جس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو میں اپنے موقف سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت پر چلتے ہوئے، خدا کے راستے پر چلتے ہوئے، بھوک پیاس برداشت کرتے ہیں اور ان کی زبان پر کوئی شکوہ نہیں آتا بلکہ وہ خوش و خرم رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو مکمل انسان کہلوانے کے حق دار ہیں۔

بند نمبر 4: (بورڈ 2013)

جینے کا نہ اندوہ، نہ مرنے کا ذرا غم
یکساں ہے انھیں زندگی اور موت کا عالم
واقف نہ برس سے، نہ مہینے سے وہ اک دم
نہ شب کی مصیبت، نہ کبھی روز کا ماتم
دن رات، گھڑی پہر، مہ و سال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

تشریح: جو لوگ فقر اختیار کر لیتے ہیں انھیں جینے کا کوئی افسوس نہیں ہوتا نہ ہی مرنے کا کوئی دُکھ ہوتا ہے۔ اُن کے لیے وقت کی تقسیم بے معنی ہے۔ اُنھیں گھڑی، پہر، دن، رات، مہینے اور سال کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ وہ گزرتے ہوئے ہر پل میں خوش و خرم رہتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو مکمل انسان کہلوانے کے حق دار ہیں۔

بعض افراد کی زندگی میں اتنی مشکلات اور مسائل ہوتے ہیں کہ زندہ رہنا مصیبت بن جاتی ہے۔

؎ کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

زندگی میں انسان کو اتنی محرومیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ زندگی سزا محسوس ہونے لگتی ہے۔

؎ زندگی جبرِ مسلسل کی طرح کاٹی ہے
جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

نظیر اکبر آبادی کا موقف یہ ہے کہ جو لوگ فقر اختیار کر لیتے ہیں انھیں زندگی مصیبت نہیں لگتی بلکہ وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں۔ ان کی زبان پر یہ الفاظ رہتے ہیں۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

''اے اللہ! ہم تیرے لکھے پر راضی اور تیرے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔'' (امام حسینؑ ابنِ علیؓ)

فقر اختیار کرنے والوں کے لیے جس طرح زندگی پریشانی کا باعث نہیں بنتی اسی طرح موت سے بھی وہ نہیں گھبراتے۔

؎ فیضؔ تھی راہ سر بسر منزل
ہم جہاں پہنچے کامیاب آئے

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

''اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو''

خوشی کے ساتھ موت کا سامنا وہی شخص کرسکتا ہے جسے اپنے موقف کی سچائی کا یقین ہو۔ جب انسان کو معلوم ہو کہ اس نے جو زندگی گزاری ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزری ہے تو پھر انسان موت سے نہیں گھبراتا۔ حضرت علیؓ ابنِ ابی طالب کا ارشاد ہے:

''ابو طالب کا بیٹا اس بات سے نہیں ڈرتا کہ کب اس کا اور موت کا آمنا سامنا ہو جائے''

؎ سلام ان پہ تہِ تیغ بھی جنھوں نے کہا
جو تیرا حکم، جو تیری رضا، جو تو چاہے

نظیرؔ اکبر آبادی کا موقف یہ ہے کہ فقر اختیار کرنے والوں کے لیے زندگی اور موت کی تقسیم کوئی معنی نہیں رکھتی۔ وہ تو موت کو بھی وصل باری تعالیٰ کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

؎ کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اُتر جاؤں گا

فقر اختیار کرنے والوں کے لیے وقت کی تقسیم بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ وقت کے تعین کے لیے تقویم کی تشکیل اور پھر وقت کو چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کرنے کا مقصد دنیاوی سرگرمیوں کی ادائیگی میں باقاعدگی پیدا کرنا ہے۔ جو افراد دُنیاوی معاملات کے بجائے رضائے خداوندی کو ہی سب کچھ سمجھیں اُن کے لیے یہ تقسیم غیر ضروری ہے۔ وہ ہر وقت اور ہر حال میں خوش رہتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو مکمل انسان کہلوانے کے حق دار ہیں۔

بند نمبر 5:

اُن کے تو جہاں میں، عجب عالم ہیں نظیرؔ، آہ
سب ایسے تو دنیا میں ولی، کم ہیں نظیرؔ، آہ
کیا جانے، فرشتے ہیں کہ آدم ہیں نظیرؔ، آہ
ہر وقت میں، ہر آن میں خرم ہیں نظیرؔ، آہ
جس ڈھال میں رکھا، وہ اُسی ڈھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

مفہوم:

نظیرؔ اکبر آبادی کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کا دنیا میں رہنے سہنے کا انداز حیرت انگیز ہے۔ ان جیسے اللہ کے نیک بندے بہت کم ہیں۔ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ انسان ہیں یا فرشتے کہ ہر حال میں خوش و خرم رہتے ہیں۔ اللہ اُنھیں جس حالت میں رکھے وہ اسی حالت میں خوش رہتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو مکمل انسان کہلوانے کے حق دار ہیں۔

☆☆☆☆☆

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

04

میدانِ کربلا میں صبح کا منظر

(میر انیس)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
کربلا	کرب وبلا، دکھ اور غم کی وادی
زنگاری	سبز
گوہر یکتا	بے مثال جواہر
جواہر نگار	موتیوں کی طرح خوب صورت
تیہو	تیتر کی قسم کا ایک چھوٹا سا پرندہ
طاؤس	مور
درّاج	تیتر
کبک	چکور
مرغانِ خوش نوا	اچھی آواز والے پرندے، اچھی آواز میں چہچہانے والے پرندے
تھالے	درختوں کے گرد پانی دینے کے لیے بنائے ہوئے کم گہرائی کے گڑھے
نخل	درخت
سَبد	ٹوکری، ٹوکرا
گہر ہائے آب دار	چمک دار موتی
بالائے نخل	درخت پر
خواہاں	چاہنے والے
شبنم	اوس
نسیم	صبح کی تازہ ہوا
طائر	پرندہ
حق سِرّہٗ	اس کا راز سچ ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات حق ہے، یہ عارفوں اور درویشوں کا نعرہ ہے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

علی العموم	عموماً
ربِّ علیٰ	اللہ تعالیٰ
مدح	تعریف، حمد
فلک	آسمان
گلشن زہرا	حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھرانہ
تہلیل	لا الہ الا اللہ پڑھنا

خلاصہ: (بورڈ 2006)

میدانِ کربلا میں صبح کے وقت ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اوس سے دھلے سبزے کے سامنے آسمان کی چمک بھی ماند پڑتی دکھائی دے رہی تھی۔ پھولوں کی مہک ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ شبنم کے قطرے پھول کی پتیوں اور درخت کے پتوں پر موتیوں کی طرح جگمگا رہے تھے۔ مختلف پرندوں کی دل کش آوازیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ سرسبز درخت پھولوں کی کثرت سے سرخ لباس میں دکھائی دے رہے تھے۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاندان کی پیاس دیکھ کر شبنم، گلاب کے کٹوروں میں جمع ہو گئی تھی۔ وہ نباتات ہوں، پھول ہوں، کانٹے ہوں، پرندے ہوں، حتیٰ کہ چیونٹی سے ہرن اور شیر تک سب کے سب اپنے اپنے انداز میں اللہ کی پاکیزگی، رزاقی، ہمیشگی، قدرت اور وحدانیت کا اعتراف کر رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

بند نمبر 1: (بورڈ 18، 2007)

ٹھنڈی ہوا میں، سبزۂ صحرا کی وہ لہک
شرمائے جس سے، اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا، پھولوں کی وہ مہک
ہر برگِ گل پہ، قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے، گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

تشریح: میر ببر علی انیسؔ اُردو کے شہرۂ آفاق مرثیہ گو شاعر تھے۔ نظم ''میدانِ کربلا میں صبح کا منظر'' ان کے ایک مرثیے کا حصہ ہے۔ جس میں دس محرم کے دن میدان کربلا میں صبح کے منظر کی دلکش منظر کشی کی گئی ہے۔ زیرِ تشریح بند میں وہ کہتے ہیں کہ صبح کے وقت ٹھنڈی ہوا میں کربلا کے میدان میں موجود سبزہ بہت بھلا دکھائی دے رہا تھا، اتنا چمک دار محسوس ہو رہا تھا کہ آسمان کی چمک بھی اس کے سامنے ماند پڑتی دکھائی دیتی تھی۔ ٹھنڈی ہوا میں درخت جھوم رہے تھے۔ پھولوں کی خوش بو ہر سُو پھیلی ہوئی تھی۔ پھولوں کی پتیوں پر اوس کے قطرے یوں جھلملا رہے تھے کہ ان کے سامنے ہیرے اور بے مثال موتی بے حیثیت ہو کر رہ گئے تھے۔ درختوں کے پتے اوس کی موجودگی میں ایسے دکھائی دیتے تھے جیسے ان پر ہیرے موتی جڑ دیے گئے ہوں۔

دن کے مختلف پہروں کے انسانی مزاج پر مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ صبح کے وقت انسانی طبیعت پر بڑے خوش گوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ صبح کا وقت ایسا ہے کہ جس کے بارے میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ''صبح کا وقت جنت کے اوقات میں سے ہے''

اللہ تعالیٰ صبح کے وقت میں اپنی نشانیوں کا ذکر کرتا ہے۔

''دن اور رات کے تبدیل ہونے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں موجود ہیں''

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

جوشؔ ملیح آبادی نے اس آیت کے مفہوم کو شعر میں برتا ہے۔

ہم ایسے اہلِ نظر کو ثبوتِ حق کے لیے
اگر رسول نہ آتے تو صبح کافی تھی

صبح کا وقت ایسا وقت ہے جسے دن رات کے اوقات میں چند امتیازی خصوصیات حاصل ہیں کہ اگر ساری رات حبس رہے تو صبح کے وقت چند لمحوں کے لیے ہی سہی لیکن ہوا ضرور چلتی ہے۔ پھر جتنے بھی پھول ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر صبح کے وقت ہی کھلتے ہیں اور پھول اللہ تعالیٰ کی ایسی صنعت ہے جو نہ صرف خود خوب صورت ہے بلکہ جہاں موجود ہو اس منظر کو بھی خوبصورت بنا دیتی ہے۔

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اُکسانے لگا مُرغِ چمن
پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیراہن

اوس تو رات میں بھی پھولوں اور پتوں پر موجود ہوتی ہے لیکن رات کی تاریکی میں اس کی خوب صورتی ظاہر نہیں ہوتی جب صبح کی روشنی پھیلتی ہے تو پھر اوس کے قطرے فقط پانی کے قطرے نہیں رہتے بلکہ قیمتی موتی دکھائی دینے لگتے ہیں۔

برگِ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی بادِ صبح
اور اس موتی کو چمکاتی ہے سورج کی کرن

میر انیسؔ کا موقف یہ ہے کہ ہوا کے چلنے، پھولوں کے کھلنے اور پھول پتوں پر اوس کے قطروں نے زمین کو رشک آسمان بنا دیا تھا ان سب عوامل کی موجودگی میں صبح کا منظر بہت خوب صورت اور دل کش دکھائی دیتا تھا۔

بند نمبر2:

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا
درّاج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل، وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا
سردی جگر کو بخشتی تھی، صبح کی ہوا
پھولوں سے سبز سبز شجر، سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے، سبدِ گل فروش تھے

تشریح: کربلا کے جنگل میں صبح کے وقت روشنی پھیلنا شروع ہوئی تو یہ منظر نگاہوں کو بڑا بھلا لگ رہا تھا۔ مختلف پرندے جن میں تیتر، چکور اور مور شامل تھے ان کی دل کش آوازیں فضا میں گونجنے لگیں۔ صبح کے وقت پھیلنے والی ٹھنڈی ہوا روح کی شادابی کا باعث بن رہی تھی۔ پھول اس کثرت سے کھلے ہوئے تھے کہ یوں لگتا تھا کہ جیسے ہرے بھرے درختوں نے سُرخ لباس پہن لیا ہو اور ان درختوں کے تنوں کے آس پاس پھولوں کے ڈھیر دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے پھول بیچنے والوں نے پھولوں سے بھری ہوئی ٹوکریاں رکھ دی ہوں۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ

''کائنات کی ہر شے اللہ کی تسبیح کرتی ہے''

وہ جمادات ہوں، نباتات ہوں یا حیوانات ہر کوئی ذکرِ الٰہی میں مصروف نظر آتا ہے۔ صوفیائے کرام ذکرِ الٰہی کی دو صورتیں قرار دیتے ہیں۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

(۱) ذکرِ جلی (۲) ذکرِ خفی

ذکرِ جلی یہ ہے کہ ہر سانس کے ساتھ زبان سے اللہ کا نام ادا ہو جب کہ ذکرِ خفی یہ ہے کہ دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ اللہ کو یاد کیا جائے۔ صبح کے وقت پرندوں کا چہچہانا ذکرِ جلی کے زمرے میں آتا ہے۔

کیفیتِ وحی میں ہے بلبل
ہے وقتِ نزولِ مصحفِ گل
نوبت ہے صدائے قمریاں کی
تیاری ہے باغ میں اذاں کی
محوِ تکبیر فاختہ ہے
قدِ قامت سرو دلربا ہے
ہر شمعِ خموش فکر میں ہے
ہر طائرِ شوخ ذکر میں ہے

صبح کے وقت چلنے والی ہوا قلب وجگر کے سکون کا باعث بن رہی تھی اور پھول بڑی کثرت سے کھلے ہوئے تھے۔ اگرچہ پھول زندگی کی ... بیداری کی دلیل ہیں لیکن معیارِ زندگی کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔

غنچے تیرے جینے پہ دل ہلتا ہے
تو فقط ایک تبسم کے لیے کھلتا ہے
ہنس کے غنچے نے کہا اے بابا
یہ ایک تبسم بھی کسے ملتا ہے

میر انیس کا موقف یہ ہے کہ صبح کے وقت پھولوں کی اتنی کثرت تھی کہ پھولوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

... پہلے بند میں صبح کے وقت اور پھول کے حوالے سے جو باتیں بیان کی گئی ہیں انھیں یہاں دہرایا جا سکتا ہے۔

... نمبر3: (بورڈ 2009-2012)

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے، وہ سبزہ زار
پھولوں پہ جا بجا، وہ گہر ہائے آب دار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل، ہزار
خواہاں تھے زیبِ گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

تشریح: کربلا کے جنگل میں صبح کے وقت ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، پھولوں پہ جگہ جگہ چمک دار موتی جھلملا رہے تھے، درختوں کی شاخیں جھوم رہی ... پھول اس کثرت سے کھلے ہوئے تھے کہ اگر کسی درخت پر ایک بلبل تھی تو ہزاروں پھول کھلے ہوئے تھے۔ خاندانِ بتول (حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ... افراد کی پیاس کو دیکھ کر اوس گلاب کے پھولوں کے کٹوروں میں جمع ہو گئی تھی کہ شاید اس سے پیاسوں کی پیاس بجھ جائے۔

صبح کا وقت یہ انفرادیت رکھتا ہے کہ تھوری دیر کے لیے ہی سہی ہوا ضرور چلتی ہے۔ شاید اسی لیے صبح کے وقت کو جنت کے اوقات میں ... گیا ہے۔ پھر پھولوں کا کھلنا، اوس کے قطروں کا چمکنا، سورج کا افق پر نمودار ہونا، یہ عوامل ایسے ہیں کہ اللہ کے ہونے کی نشانیاں بن کر ظاہر

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

ہوتے ہیں۔ارشادِ ربانی ہے:

"دن اور رات کے تبدیل ہونے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں"

انیسؔ کا موقف یہ ہے کہ پھولوں کی کثرت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ کہاں بلبل ایک ایک پھول کے لیے ترستا رہتا ہے اور یہاں یہ صورت کہ اگر کسی پودے پر ایک بلبل ہے تو ہزاروں پھول کھلے ہوئے ہیں۔مختلف چیزوں کی کثرت کا ذکر کر کے اُنھیں خاندانِ رسالت کی پیاس کا ذکر کرتے ہیں۔

تشریح طلب بند "گریز" کا بند ہے جب مرثیہ گو تشبیب میں اصل مقصد یعنی واقعات کربلا کے بیان کی طرف آتا ہے تو مرثیے کا ایسا بند گریز کا بند کہلاتا ہے۔

کربلا میں امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر سات محرم الحرام کو پانی بند کر دیا گیا اور عاشورہ محرم کو آپ کو عزیز و اقارب سمیت بھوکا پیاسا شہید کر دیا گیا۔میر انیسؔ کا موقف یہ ہے کہ امام حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں کی پیاس کو دیکھ کر انسانوں کے دل تو نہ پسیجے لیکن فطرت جوش میں آ گئی۔شبنم پھولوں کے کٹوروں میں جمع ہو گئی۔کربلا والوں کی پیاس انسانی تاریخ میں خاص اہمیت کی حامل ہے کیوں کہ یہ حق کی سربلندی کی خاطر برداشت کی گئی۔

؎ تاریخ دے رہی ہے یہ آواز دم بدم
دشتِ ثبات و عزم ہے دشتِ بلا و غم
صبرِ مسیح و جرأتِ سقراط کی قسم
اس راہ میں ہے صرف اک انسان کا قدم
جس کی رگوں میں آتشِ بدر و حنین ہے
جس سورما کا اسمِ گرامی حسین ہے

میر انیسؔ ایک ایسا منظر پیش کرتے ہیں جہاں ہر طرف چیزوں کی کثرت اور فراوانی دکھائی دیتی ہے۔وہاں چند افراد کے لیے پانی کا روک لیا جانا، پڑھنے اور سننے والوں کے لیے ایک سوال اُٹھاتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟ اور یہی سوال ذہنوں میں اُٹھانا مرثیہ نگار کا مقصد بھی ہوتا ہے۔

؎ طوفاں اٹھانا تھا تجھے یا سوکھ جانا تھا تجھے
کچھ تو نے خدمت ہی نہ کی اے وائے نہرِ علقمہ

بند نمبر 4:

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم
کوکو کا شور، نالۂ حق سرہٗ کی دھوم
سبحان ربّنا کی صدا تھی علی العموم
جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے، ربِ علی کی مدح
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی، خدا کی مدح

تشریح: صبح کے وقت سرو کے پودے کی اطراف میں قمریوں کا اکٹھ دکھائی دیتا ہے۔جن کی "کوکو" کی آواز سن کر ایسا لگتا ہے جیسے وہ بارگاہِ الٰہی میں آہ و زاری کر رہی ہوں۔حق سرہ کی آوازیں گونج رہی تھیں، ہر طرف اللہ کی پاکی اور اس کی عظمت کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے پرندے اپنے اپنے انداز میں عبادت کر رہے ہوں۔صرف پھول ہی خدائے بزرگ و برتر کی تعریف نہیں کر رہے تھے بلکہ لگتا تھا کہ کانٹو

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

کو بھی زبان عطا کر دی گئی ہے اور وہ بھی اللہ کی تعریف میں مصروف ہیں۔

دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں ان کے یہاں صبح کا وقت عبادتِ الٰہی کے حوالے سے متبرک جانا جاتا ہے۔ وہ مذہب اپنی اصل حالت میں ہے یا مسخ کر دیا گیا ہے۔ اس مذہب کے ماننے والوں کی عبادت کا طریقہ درست ہے یا نہیں اس سے قطع نظر ہر وہ شخص جو کسی بھی مذہب کو مانتا ہے اس کے لیے صبح کا وقت عبادت کے لیے بابرکت خیال کیا جاتا ہے۔ مثلاً مسلمان پانچ وقت بارگاہِ الٰہی میں سربسجود ہوتے ہیں، صبح کا وقت موجود ہے، یہودی اور عیسائی ہفتے میں ایک دن عبادت کرتے ہیں اور صبح کے وقت کرتے ہیں۔ ہندو، سکھ اور بدھ مت کے ماننے والے دو وقت پوجا پاٹ کرتے ہیں ان اوقات میں صبح کا وقت شامل ہے۔ میر انیسؔ کا موقف یہ ہے کہ صبح کے وقت تو نباتات اور حیوانات بھی عبادتِ الٰہی میں مصروف نظر آتے ہیں۔

پرندوں کا چہچہانا گویا ان کا ذکرِ الٰہی میں مصروف ہونا ہوتا ہے کہ ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ ذکرِ جلی، ذکرِ خفی...... ذکرِ جلی یہ ہے کہ ہر سانس کے ساتھ زبان سے اللہ کا نام ادا ہو۔ اور ذکرِ خفی یہ ہے کہ دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ انسان اللہ کو یاد کرے۔ قمریوں کی کُوکُو گویا ذکرِ جلی کی ایک صورت ہے۔

؎ نوبت ہے صدائے قمریاں کی
تیاری ہے باغ میں اذاں کی
ہر شمعِ خموش فکر میں ہے
ہر طائرِ شوخ ذکر میں ہے

اگر ایک طرف پرندے اللہ کی تسبیح و تقدیس میں مصروف نظر آتے ہیں تو دوسری طرف نباتات بھی فارغ نہیں بیٹھے بلکہ وہ بھی عبادتِ الٰہی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

؎ سبزہ ہے کنارِ آب جُو پر
یا خضر ہے مستعد وضو پر
کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحنِ گلستاں میں
چلی مستانہ وش بادِ صبا عنبر فشاں ہو کر

صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا موقف ہے کہ جس پتے کو دیکھیں اس کا اگلا سرا زمین کی طرف جھکا ہوا نظر آتا ہے جو عبادت و بندگی کی دلیل ہے۔ جو بتاتا ہے کہ نباتات بھی بارگاہِ خداوندی میں سر جھکا کر اللہ کے اس فرمان کی تکمیل کر رہے ہیں۔

''کائنات کی ہر شے اللہ کی تسبیح کرتی ہے''

صبح کے وقت ساری مخلوق اپنے اپنے انداز میں محوِ عبادت نظر آتی ہے یہ الگ بات ہے کہ ہم اس انداز کو نہ سمجھ سکیں لیکن صاحب بصیرت افراد یہ سمجھتے ہیں کہ مخلوق اپنے خالق سے بے نیاز نہیں رہ سکتی۔

بند نمبر 5:

چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار
اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق، ترے نثار
یا حیُّ یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار
تسبیح تھی کہیں، کہیں تہلیلِ کردگار
طائر ہوا میں مست، ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

تشریح: صبح کے وقت چیونٹی بارگاہِ خداوندی میں ہاتھ اُٹھا کر یہ کہتی دکھائی دیتی تھی کہ پالنے والے تیرے قربان جایئے کہ تو کمزوروں کو بھی رزق عطا کرتا ہے۔ ہر طرف سے اللہ تعالیٰ کی ہمیشگی اور قدرتِ کاملہ کا اقرار کیا جا رہا تھا۔ کہیں خالق اکبر کی پاکی بیان کی جا رہی تھی کہیں اس کی وحدانیت، جو جان دار جہاں تھا وہاں اللہ کی عظمت بیان کر رہا تھا، پرندے فضاؤں میں اُڑ کر، ہرن ہرے بھرے میدانوں میں، شیر اپنے کچھار میں اللہ کی عظمت کا اعلان کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ جو خالقِ کائنات ہے وہ رب العالمین بھی ہے کوئی طاقت ور ہو یا کمزور اسے مانتا ہے۔ چھوٹا ہو یا بڑا ہو کسی کے مقدر میں اللہ نے جو رزق لکھا ہے اسے ہر قیمت پر عطا کر دیتا ہے۔

پہنچتا ہے ہر اک مے کش کے آگے دورِ جام اس کا
کسی کو تشنہ لب رکھتا نہیں ہے لطف عام اس کا

میر انیس کا موقف یہ ہے کہ صبح کے وقت چیونٹی اس بات کا شکر ادا کرتی نظر آتی ہے کہ پالنے والے تو ایسا رزق عطا کرنے والا ہے جو کمزوروں کو بھی محروم نہیں رکھتا۔

تو نے پتھر میں کیڑے کو پالا
خشک مٹی سے سبزہ نکالا
سارے جگ میں نہیں تیرا ثانی نہیں اے خدایا
کس نے تیری حقیقت کو پایا

اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ کی رزاقی کا ذکر ہے تو دوسری طرف اس بات کا اقرار ہے کہ اللہ حیّ (زندہ) ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور اس نے ہمیشہ رہنا ہے اور کہیں اللہ پاک کی قدرت کاملہ اور بادشاہی کا تذکرہ ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

''جب ہر شے مٹ جائے گی تو ایک آواز بلند ہو گی کہ اب کس کی
حکومت ہے تو جواب آئے گا کہ اللہ واحد و قہار کی حکومت ہے''

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بُتانِ آزری

میر انیس کا موقف یہ ہے کہ صبح کے وقت ہر کوئی اللہ کی عبادت میں مصروف دکھائی دیتا ہے۔ اگر چہ ہر کسی کا انداز مختلف ہے۔ عبادت کرنے کے انداز میں رنگا رنگی بتاتی ہے کہ عبادت کا تعلق کسی خاص انداز یا طریقہ کار تک محدود نہیں۔ جس طرح مخلوق کی مختلف صورتیں ہیں۔ جمادات ہیں، نباتات ہیں، حیوانات ہیں، انسان ہیں اور پھر ہر نوع میں تنوع موجود ہے۔ اسی طرح ان کی عبادت کا انداز بھی ایک دوسرے کے طریقے سے مختلف اور جدا ہے۔ اگر پرندے ہیں تو وہ فضاؤں میں اُڑ اُڑ کر اللہ کی حمد بیان کر رہے ہیں۔ ان کے اس انداز میں خوشی و مسرت پنہاں نظر آتی ہے۔ دوسری طرف ہرن ہیں تو وہ ہرے بھرے میدانوں میں گھوم پھر کر عبادت الٰہی کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ کوئی کمزور ہے یا طاقت ور زمین سے لے کر فضاؤں تک ہر طرف اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جا رہی ہوتی ہے۔ کہ صبح کا وقت عبادتِ الٰہی کے حوالے سے ہر مذہب و ملت میں متبرک مانا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

www.pakcity.org www.pakcity.org

05

مستقبل کی جھلک

(مولانا ظفر علی خان)

مشکل الفاظ و تراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
کواکب	کوکب کی جمع، ستارے
کے عوض	بدلے میں، کی بجائے
انجم	ستارے
رخشندہ تر	زیادہ چمکنے والے، زیادہ روشن
شادمان	خوش
دینِ متین	سنجیدہ دین، مضبوط دین، مراد ہے "اسلام"
استعمار	نو آبادیاں قائم کرنا، ہوس گیری کے جذبے سے دوسرے آزاد ممالک کو غلام بنانا
قیاس	اندازہ، قیافہ
دارالحرب	جنگ کا گھر، دارالحرب اس ملک کو کہتے جہاں کافروں کی حکومت ہو مسلمانوں کو مذہبی فرائض کی ادائیگی سے روکا جا رہا ہو اور اس بنا پر وہاں جہاد کا حکم ہو، شاعر نے آزادی کے قبل کے ہندوستان کو دارالحرب کہا ہے
دارالامان	امن و امان کی جگہ
سودا	دیوانگی، جوش و جذبہ
بشارت	خوش خبری
قدس	پاک۔ یروشلم
محمود	سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ
الپ ارسلان	سلجوقی سلطنت کا بادشاہ (1063 تا 1072ء)۔ بازنطینیوں کو 1071ء میں شکست دی اور قیصرِ روم کو گرفتار کرلیا۔ تاوانِ جنگ لے کر رہا کیا۔ اس کے دور میں سلطنت بہت وسیع ہوئی۔
اہلِ سخن	شعرا

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

خلاصہ: (بورڈ2007)

تھوڑے دنوں کی بات ہے مسلمانوں کی قربانیاں رنگ لائیں گی اور حالات بدل جائیں گے۔ خودداری کی روش حق کی سربلندی کا سبب بنے گی، نئے افراد کے آنے سے آزادی کی روشنی پھیلے گی۔ ملتِ اسلامیہ میں محمود غزنوی اور الپ ارسلان جیسے مجاہد پیدا ہوں گے، ادیبوں کا قلم لوگوں میں آزادی کا جذبہ پیدا کرے گا۔ یورپ کے نوآبادیاتی نظام کا خاتمہ ہوگا اور ایشیا خودمختار ہو جائے گا، ہندو اور مسلمان بیک آواز آزادی کا نعرہ بلند کریں گے، ہندوستان جو دارالحرب رہا ہے جلد دارالامن بن جائے گا۔ اس تبدیلی کے اس عمل میں ہمارا کڑا امتحان بھی ہوگا۔ میں یہ خبر محض مسلمانوں کو خوش کرنے کی خاطر نہیں دے رہا بلکہ یہ حقیقت ہے اور آنے والے دنوں میں میرے مخالفین بھی میرے مؤقف کی تائید کریں گے۔

☆☆☆☆☆

شعر نمبر1: کوئی دن جاتا ہے پیدا ہو گی اک دنیا نئی (بورڈ2016ء)
خونِ مسلم صرف تعمیرِ جہاں ہو جائے گا

تشریح: مولانا ظفر علی خان مشہور اخبار نویس اور نظم گو شاعر تھے۔ سبق مستقبل کی جھلک میں انھوں نے خوش خبری دی ہے کہ بہت جلد حالات بدلیں گے اور نیا مستقبل سامنے ہوگا۔ زیرِ تشریح شعر میں وہ کہتے ہیں کہ بہت جلد مسلمانوں کی قربانیوں کے نتیجے میں ایک نئی دنیا وجود میں آ جائے گی اور حالات بدل جائیں گے۔

۱۹۱۲ء سے ۱۹۳۵ء کے دور میں برصغیر کی سیاست میں تیزی سے تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ برِصغیر انگریزوں کی استعماریت اور سیاسی غلامی کا بدترین نمونہ تھا۔ ۱۹۱۹ء میں پہلی جنگِ عظیم ختم ہوئی تو ہندوستانی سیاست ایک جذباتی لہر کی لپیٹ میں آ گئی۔ ترکی میں اتحادیوں نے خلافت کو جس طرح پامال کرنے کا منصوبہ بنایا اس نے ہندوستان کے مسلمانوں میں اضطراب پیدا کر دیا۔ تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا۔ اسی دوران امرتسر میں جلیانوالہ باغ کا سانحہ پیش آیا۔ مارشل لا نافذ ہوا، مسلمانوں نے ہندوستان کو دارالحرب سمجھ کر ہجرت کا آغاز کیا، ہر طرف فسادات ہوئے۔ ''نمک تحریک'' اور ''مسجدِ شہید گنج'' کا واقعہ وہ محرکات ہیں جو اس نظم کی تحریک کا سبب بنے۔ اس شعر میں ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک اچھے مستقبل کی نوید سنائی گئی ہے جس کی تعمیر مسلمان قوم کے خون سے ہو رہی ہے اور جس کی بنیادوں میں مسلمانوں کا خون صرف ہوگا۔ اسی طرح پوری دنیا میں مختلف واقعات سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ صرف مسلمانوں کا استحصال ہو رہا ہے، ان کو غلام بنانے، ان کے وسائل پر قبضہ کرنے، انھیں تقسیم کرنے اور رفتہ رفتہ ختم کر دینے کی ناپاک سازشیں ہو رہی تھیں مگر یہ واقعات مسلمانوں میں تحریک اور بیداری پیدا کرنے کا سبب بن رہے تھے جس سے یہ امید پیدا ہو چلی تھی کہ یہ قربانیاں ضرور رنگ لائیں گی اور وہ وقت دور نہیں ہے جب دنیا کا نقشہ بدل جائے گا۔ غلام قومیں آزاد ہوں گی، مسلمانوں کے مقبوضہ علاقے آزادی حاصل کر لیں گے۔

اگر عثمانیوں پہ کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

مسلمانوں کے خلاف کی گئی سازشوں کے مقابلے میں مسلمان متحد ہو جائیں گے اور ان کا لہو رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ ایک نئی عالمی صورتِ حال کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ دنیا کی نئے سرے سے ترتیب ہوگی، نئے منظرنامے میں مسلمان ایک آزاد، خودمختار قوم بن کر ابھریں گے اور حالات ایک نیا رخ اختیار کر کے مسلمانوں کے حق میں ہو جائیں گے مگر اس کے لیے خون کے نذرانے اور قربانیاں دینا ہوں گی، ورنہ تبدیلی نہیں آ سکتی۔ مولانا ظفر علی خان مسلمانوں کو ایک بہتر مستقبل کی خبر سناتے ہیں کیوں کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان آزادی حاصل کرنے کے لیے قربانیاں دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی کی قربانیوں کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا گیا دورِ گراں خوابی

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

شعر نمبر 2: (بورڈ 2019ء)

بجلیاں غیرت کی تڑپیں گی فضائے قدس میں
حق عیاں ہو جائے گا، باطل نہاں ہو جائے گا

تشریح: مسلمانوں کی حمیتِ ملی کے نتیجے میں باطل پر حق کو فتح حاصل ہو جائے گی۔ پوری مسلم دنیا، چاہے فلسطین ہو، القدس ہو، ترکی ہو، لیبیا ہو، ہندوستان یا کوئی اور مسلم علاقہ اب خودداری اور خود شناسی کی تحریکیں زور پکڑیں گی۔ ان تحریکوں کے نتیجے میں نہ صرف یہ حق بات ثابت ہو جائے گی کہ مظلوم مسلمانوں کا موقف درست ہے اور وہ حق پر ہیں بلکہ عالمی طاقتیں اور اتحادی قوتیں جو بزورِ شمشیر مسلمانوں کو غلام بنائے رکھنے پر قائم ہیں ضرور شکست سے دوچار ہوں گی۔ پھر ان کے ناپاک عزائم خاک میں مل جائیں گے۔

آسمانی بجلی جب چمکتی ہے تو چند چیزیں روشن اور باقی تاریکی میں ڈوب جاتی ہیں مولانا ظفر علی خان مسلمانوں کی غیرت کو بجلی کے چمکنے کی مانند قرار دیتے ہیں غیرت واقعی ایک ایسی صفت ہے کہ غلامی کو بادشاہت میں بدل دیتی ہے۔

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

مسلمان انصاف، عدل، آزادی، خودداری اور دینِ متین کے داعی ہیں جب کہ غیر مسلم اقوام جو اتفاق سے عالمی طاقتیں بھی ہیں۔ اپنے اندر اتحاد پیدا کر کے اور مسلمانوں کو تقسیم کر کے ان پر راج کر رہی ہیں، انھیں مٹانے کے درپے ہیں ایک روز اپنے ناپاک ارادوں سمیت منھ کی کھائیں گی۔ وہ دن کس قدر مبارک ہوگا جب فتحِ مکہ کی یاد تازہ ہو جائے گی جب باطل اپنی تمام تر سازشوں، مکاریوں اور عیاریوں کے باوجود شکست سے دوچار ہوگا۔ حالاں کہ اس وقت بھی باطل کی اتحادی قوتیں حق کو مٹانے کے لیے پوری طاقت کا استعمال کر چکی تھیں مگر سچائی کی فتح ہوئی اور باطل مٹ گیا تھا۔ سرورِ عالم ﷺ اس روز یہ اعلان کر رہے تھے کہ "حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل ہے ہی مٹنے کے لیے............" اس فرمان کی صداقت آج بھی اسی طرح قائم ہے اور قیامت تک رہے گی۔

مسلمانوں کے لیے تو اللہ کا یہ فرمان اُمید کی سب سے بڑی کرن ہے اس لیے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ غیرت، خودداری اور جذبۂ حریت کے ساتھ آزادی کے لیے جان لڑا دو، نتیجہ وہی نکلے گا جس کی پیش گوئی سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرما دی تھی۔ ظفر علی خان بھی پُر امید ہیں کہ مسلمانوں میں اب خودداری کی منھ زور تحریکیں ضرور اُٹھیں گی جو غیرت کی بجلیاں بن کر غیر اللہ کے خس و خاشاک کو پھونک دیں گی۔ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو
بے خبر تو جوہرِ آئینہ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

شعر نمبر 3: (بورڈ 2019ء)

ان کواکب کے عوض، ہوں گے نئے انجم طلوع
ان دنوں رخشندہ تر، یہ آسماں ہو جائے گا

تشریح: پرانے ستاروں کی جگہ نئے ستارے لے لیں گے اور آسمان کی چمک دمک میں اضافہ ہو جائے گا یعنی مستقبل حال کی نسبت بہت بہتر ہو جائے گا۔

عالمی منظر نامہ آسمان کی مانند ہے جس پر آج کل غیر مسلم اقوام تارے بن کر خوب چمک دمک رہی ہیں لیکن فطرت کا تقاضا عنقریب

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

ضرور پورا ہو کر رہے گا اور ان استعماری قوتوں کو ضرور زوال آئے گا ان کی جگہ مظلوم اور استحصال کا شکار قومیں ابھریں گی اور ستارے بن کر پوری دنیا کو حق اور انصاف کی روشنی سے منور کر دیں گی۔ مولانا حالی کا کہنا ہے:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھیے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں

گو آج بھی آسمان پر تارے موجود ہیں مگر آسمان روشن نہیں ہے اس لیے کہ یہ تارے اندھیروں کے سفیر ہیں۔ تاریکیوں کے نمائندے ہیں، یہ اقوام ظلم، ناانصافی، طاقت کے بل پر دوسروں کا حق چھیننے، انھیں دبانے، ان کی آزادی اور وسائل سلب کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ گو یہ اقوام دریافت وایجاد، تہذیب وتمدن، سائنس وٹیکنالوجی اور سرمایہ وقوت کے اعتبار سے خوب چمک دمک رہی ہیں۔ ان کی تابنا کی اور روشنی کا ہر طرف چرچا ہے مگر حقیقت میں ساری دنیا کی تاریکی انہی کی وجہ سے ہے۔ ان کا نظام سیاست وحکومت ہو یا نظامِ معاشرت درحقیقت سیاہ اور تاریک ہے جب کہ ان کے برعکس مسلمان سیاست، حکومت، معاشرت، دین، دنیا اور زندگی کے بارے میں مثبت قدروں کے حامی ہیں۔ ان کی فکر کا ماخذ قرآن وحدیث ہے، اللہ کی کتاب اور رسولِ اکرم ﷺ کی سنت ہے جو سراسر اجالا ہے، روشنی ہے، تابندگی ہے۔ اسی لیے دنیا کب تک اس حقیقی روشنی سے محروم رہے گی بہر حال انقلاب آنا ہے اور نظامِ حق پوری دنیا پر جلوہ گر ہو کر اسے روشن کر دے گا۔

آج اس نظام کی ہلکی ہلکی روشنی کہیں کہیں ٹمٹما رہی ہے مگر جلد ہی یہی روشنی کا سیلاب بن کر پوری دنیا پر چھا جائے گی۔ ان دنوں پوری دنیا میں اسلام کے زریں اصولوں سے اجالا ہوگا اور روشنی بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ ایسا اب ہو کر رہے گا اور عنقریب ہونے والا ہے۔ تشریح کا ایک امکان یہ بھی ہے کہ جب کوئی جدوجہد طویل عرصے پر محیط ہو تو اس جدوجہد میں شریک افراد میں سے کئی ایک دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ ان کے دنیا سے جانے کی وجہ سے باقی لوگ گھبرانے لگتے ہیں کہ ان لوگوں کا بدل کیسے ملے گا؟ مولانا ظفر علی خان کا موقف یہ ہے کہ جو لوگ رخصت ہو رہے ہیں۔ ان کی جگہ جو افراد لیں گے وہ ان سے بڑھ کر ہوں گے۔ اس جدوجہد کا افق تاریک نہیں ہوگا بلکہ اس سے بڑھ کر روشن ہو جائے گا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے:

اگر عثمانیوں پہ کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

شعر نمبر 4:

پھر نئے محمود ہوں گے حامیٔ دینِ متیں
بچہ بچہ غیرتِ الپ ارسلاں ہو جائے گا

تشریح: آنے والے دنوں میں دینِ حق کی حفاظت کرنے والے کئی محمود غزنوی اور الپ ارسلان جنم لیں گے۔

اسی ہندوستان میں ذات پات کی چکی میں پسے مظلوموں کی مدد کے لیے ایک ایسا شخص آیا جس نے زر وجواہر ٹھکرا کر باطل قوتوں کی کمر توڑی اور عام آدمی کو اس کے جینے کا حق دیا وہ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ تھا جس نے بت فروشی کی بجائے بت شکنی سے باطل پر ضرب لگائی جس سے ناقابل تسخیر سمجھے جانے والے ظالم راجاؤں کی ہوا اکھڑ گئی۔ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کمزوروں کو یہ یقین دلانے کہ راجا اور ان کا ظالمانہ نظام باطل ہے اور باطل مٹنے کے لیے ہوتا ہے، سترہ بار ہندوستان پر حملہ کیا۔ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے سومنات کے بت کو توڑ کر بتوں کی پوجا کرنے والوں پر واضح کر دیا کہ بت محض پتھر ہیں یہ خود کو ٹوٹنے سے بچانے کی اہلیت نہیں رکھتے تو بھلا کسی اور کو کیا بچائیں گے اور اگر ان میں کوئی قوت ہوتی تو محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ضرور

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

استعمال کرتے یوں جہالت کی وجہ سے ہندوستان میں رائج باطل عقائد کی بیخ کنی کی اور ہندوستانی مذہبی فضا اور سیاسی و معاشرتی دبدبے کا پول کھول دیا۔ آج ہندوستان ویسی ہی صورت حال کا شکار ہے لیکن مایوسی کی بجائے پُرامید ہونا چاہیے۔

ہم میں پھر محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے غیرت مند، بہادر، بت شکن اور شرک کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے والے کئی اور محمود رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوں گے جن کا ہر قدم دینِ اسلام کی حمایت میں اٹھے گا جن کے ہر عمل سے دین کو غلبہ حاصل ہوگا۔ ہندوستان کے ہر مسلمان، ہر بچے میں الپ ارسلان جیسے سپہ سالار کی قوت بھر جائے گی۔ جس طرح سلجوقی خاندان کے بادشاہ الپ ارسلان نے اہلِ یورپ کو شکست دیتے ہوئے نہ صرف اپنے مقبوضہ علاقے اُن کے قبضے سے چھڑا لیے بلکہ یورپ کے بہت سے علاقوں پر قبضہ بھی کر لیا۔ اسی طرح مسلمانوں میں الپ ارسلان جیسے کئی سپہ سالار پیدا ہوں گے جن کی قوت باطل کو زیر کرنے کے لیے استعمال ہوگی اور اس طاقت کے سامنے کوئی دم نہ مار سکے گا۔ مسلمانوں کا جوش و جذبہ ہی الپ ارسلان جیسی طاقت بن جائے گا کیوں کہ یہ فطرت کا لازمی امر ہے کہ مظلوم، محکوم اور کمزور جب اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو پھر وہ ایک ناقابل شکست طاقت بن جاتے ہیں جن کے سامنے بڑی سے بڑی قوت نہیں ٹھہر سکتی۔

ے
یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے
جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

شعر نمبر 5:

میرے جیسے ہوں گے پیدا سیکڑوں اہلِ سخن
نکتہ نکتہ جن کا، آزادی کی جاں ہو جائے گا

تشریح: آنے والے دنوں میں بے شمار ایسے ادیب سامنے آئیں گے جن کی باتیں آزادی کے حصول کے لیے معاون ثابت ہوں گی۔

آزادی کی جدوجہد زندگی کے کسی ایک شعبے تک محدود نہیں ہوتی۔ اس میں طالب علم، استاد، کلرک، مزدور، وکیل، تاجر اور شاعر زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد شریک ہوتے ہیں۔ مولانا ظفر علی خان شاعر تھے اور اسی حیثیت سے مسلمانوں کی آزادی اور خود مختاری کے لیے جہاد کر رہے تھے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ شاعر بھی اپنے سخن سے، شاعری سے جذبۂ آزادی پیدا کر سکتا ہے۔ شاعر بھی اپنے ہنر سے قوم کی خدمت کر سکتا ہے، شاعر بھی اپنے فن سے قومی زندگی کی کھیتی ہری کر سکتا ہے جس طرح اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا۔

ے
شاعرِ دل نواز بھی بات اگر کہے کھری
ہوتی ہے اس کے فیض سے مزرعِ زندگی ہری

ظفر علی خان کو یقین ہے جس طرح میں قوم کی ترجمانی کے لیے وقف ہو کر رہ گیا ہوں، جس طرح میرے اشعار مسلمانوں میں جذبۂ آزادی جگا رہے ہیں، جس طرح میرا کلام ہندوستان کے محکوم مسلمانوں کی آزادی کا سبب بنے گا اسی طرح زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے شانہ بہ شانہ شاعر بھی ملت کی خدمت کا حق ادا کرے گا اور وہ کوئی ایک دو نہیں ہوں گے بلکہ لاتعداد ہوں گے جن کے شعروں میں عزم، ارادہ، ہمت، استقلال، جوانمردی، امید، جدوجہد، فکر اور عمل کا پیغام ہوگا۔ یہی اوصاف قوم میں پیدا ہو جائیں تو آزادی کی منزل دور نہیں ہے۔ ظفر علی خان کا خیال درست نکلا، اقبال، ظفر علی خان، حفیظ جالندھری، حسرت موہانی، ساحر لدھیانوی، فیض احمد فیض، ظہیر کاشمیری، احمد ندیم قاسمی، اختر شیرانی، جوش ملیح آبادی، احسان دانش، منیر نیازی، صوفی تبسم، احمد راہی، ناصر کاظمی اور بہت سے شعرا نے وطن، خطۂ زمین اور قوم کی

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

آزادی کے ساتھ ساتھ محکوموں، مجبوروں، بے کسوں کی آزادی، زبان بندی سے آزادی، افکار اور انسانی آزادی کی بات کی۔ ان شعرا کے ہر ایک مصرعے میں اثر آفرینی ہے، سچائی ہے، صداقت ہے۔ ان کے ہر شعر سے خلوص ٹپکتا ہے، قوم کا درد دکھائی دیتا ہے انسانیت سے ہمدردی محسوس ہوتی ہے۔ انقلاب اور تبدیلی کی صدا سنائی دیتی ہے۔

شعر نمبر 6: (بورڈ 2010)

ڈھائی جائے گی بنا، یورپ کے استعمار کی
ایشیا، آپ اپنے حق کا پاسباں ہو جائے گا

تشریح: یورپ کے نو آبادیاتی نظام کا خاتمہ ہوگا اور ایشیا میں رہنے والے لوگ خود مختار ہو جائیں گے۔

گزشتہ چند صدیاں مسلم ممالک خصوصاً ایشیائی ممالک پر بہت بھاری گزریں، ہندوستان کی مغل حکومت کے زوال کے ساتھ ساتھ وسط ایشیائی مسلم ریاستیں، مشرق وسطیٰ کے ممالک اور بعض دیگر خطوں میں یورپی اقوام کی آمد، قبضہ، تسلط اور وہاں کے وسائل پر ہاتھ صاف کرنا ظفر علی خان اور مسلمانوں کے لیے تکلیف دہ تھا۔ ظفر علی خان بدلتے ہوئے حالات اور بیداری کی لہر دیکھ کر پر امید ہیں کہ وہ لوٹ کھسوٹ اب ختم ہو جائے گی، ایشیا کے ممالک یورپی لٹیروں کو مار بھگائیں گے اور اپنے سیاسی، معاشی اور معاشرتی حقوق کے خود نگہبان بن جائیں گے، اپنی قسمت کے فیصلے خود کریں گے۔ کس ملک میں کون سا نظام ہوگا اس کے بارے میں خود سوچیں گے۔

یورپی اقوام ان ملکوں میں تاجروں کی حیثیت سے آئی تھیں اور پھر رفتہ رفتہ ان کے وسائل پر قبضہ کر لیا۔ ملکوں اور حکومتوں پر قبضہ کر لیا اور پھر ان کی تقدیر کے فیصلے بھی خود کرنے لگے۔ یہ بات ظفر علی خان کے لیے تکلیف دہ ہے۔ یہ مسلم امہ کی توہین ہے۔ جس کے خلاف مختلف خطوں میں تحریکیں شروع ہوئیں۔ بیداری کی لہر آئی اور مختلف اطراف سے آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ ان علامات کو دیکھ کر لگتا ہے کہ مستقبل قریب میں یورپ کے نو آبادیاتی نظام پر یقیناً ضرب پڑے گی۔ دوسرے ملکوں کو غلام بنانے کا راستہ روکا جائے گا اور اس نظام کی بنیاد ہلا دی جائے گی تاکہ آئندہ اس ظلم کا اندیشہ نہ رہے بلکہ ایشیا والے خود اپنے علاقے، ملک، وسائل، رسم و رواج، دین، معیشت اور معاشرت کے وارث، مالک اور مختار ہوں۔ ایسے آثار دکھائی دیتے ہیں کہ یورپی اقوام کو ایشیا والوں کا حق دینا پڑے گا اور ان کے وسائل ان کے حوالے کر کے خود رخصت ہونا پڑے گا، ظفر علی خان اقتصادی اور معاشی استحکام کو حقیقی آزادی سمجھتے ہیں ایک اور شعر میں اس طرح کہتے ہیں:۔

محکم بنا اسی سے ہے قصرِ فرنگ کی
تو بھی کر استوار اساس اقتصاد کی

شعر نمبر 7: (بورڈ 2010)

نغمہ آزادی کا گونجے گا حرم اور دیر میں
وہ جو دار الحرب ہے، دارالاماں ہو جائے گا

تشریح: ہندو اور مسلمان بیک آواز آزادی کے لیے جدوجہد کریں گے اور وہ خطہ جو لڑائی کا مرکز بنا ہوا ہے امن و امان کا گہوارہ بن جائے گا۔

۱۹۱۹ء میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر اتحادی اقوام نے سلطنت عثمانیہ کی خلافت کو ختم کر دیا جس سے ہندوستان کے مسلمانوں کی جذباتی وابستگی تھی چناں چہ ردعمل کے طور پر تحریک خلافت شروع ہوئی۔ اسی دوران امرتسر میں جلیانوالہ باغ کا دلدوز سانحہ پیش آیا۔ برطانوی استعمار نے مارشل لا نافذ کر کے ظلم و بربریت کا آغاز کر دیا جس کی وجہ سے فسادات ہوئے اور مسلمانوں نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر ہجرت شروع کر دی۔ ظفر علی خان کے اس شعر میں حرم اور دیر کی علامات ترکی اور ہندوستان یا پھر مسلمانوں اور ہندوؤں کی غلامی کے لیے استعمال ہوئی ہیں۔ ایک مطلب تو یہ ہے کہ ترک قوم کی قربانیوں سے خلافت عثمانیہ جو حرم کے نظام کی آخری صورت تھی آزادی اور بحالی سے ہم کنار ہوگی

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

دوسرے تحریک خلافت ہندوستان میں بھی بیداری کا محرک بن کر بالآخر آزادی کی طرف لے جائے گی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان ہی میں مسلمانوں کی تحریک خلافت اور ہندوؤں کی تحریک ترک موالات جاری ہیں جن کا نتیجہ جلد یا بدیر آزادی ہی کی صورت میں برآمد ہوگا یوں دیر اور حرم دونوں میں آزادی کا نغمہ گونجے گا تر کی ہو یا ہندوستان یا پھر مسلمان ہوں یا ہندو دونوں آزادی سے ہمکنار ہوں گے۔

آج جن برے اور ابتر حالات کی وجہ سے مسلمان ہجرت پر مجبور ہوئے ہیں کہ ہندوستان کے حالات بہتر اور پرامن ہونے پر واپس یہیں پلٹ آئیں گے انگریزوں کی طاقت، ظلم اور مارشل لا کب تک اس ملک کے عوام کو ہجرت پر مجبور کرے گا بالآخر مسلمانوں کی جدوجہد رنگ لائے گی اور اگر ہندوؤں کی تحریک بھی جاری رہی تو اس مشترکہ جدوجہد کے نتیجے میں انگریزوں کو دم دبا کر بھاگنا پڑے گا اور پھر اس دارالحرب کی حیثیت دارالامان کی ہو جائے گی۔ لوگ واپس گھروں کو آئیں گے اپنے ملک میں رہیں گے اور آزادی کی نعمت سے سرفراز ہوں گے۔

شعر نمبر 8:

ہم کو سودا ہے غلامی کا کہ آزادی کی دھن
چند ہی دن میں، ہمارا امتحاں ہو جائے گا

تشریح: بہت جلد سب کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم غلامی پر راضی نہیں بلکہ آزادی چاہتے ہیں اور بہت جلد ہم یہ دعویٰ ثابت بھی کر دیں گے۔

۱۷۱۲ء سے ۱۸۵۷ء تک کسی نہ کسی رنگ میں ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت رہی ہے اس کے بعد مسلمانوں سے ان کی حکومت اور ملک چھن گیا۔ برطانیہ نے ہندوستان کو غلام بنالیا۔ ہندو جو پہلے مسلمانوں کی حکومت کے ماتحت تھے اب انگریزوں کے زیر نگیں ہو گئے ان پر اس نئی صورت حال کا زیادہ اثر نہیں ہوا لیکن مسلمانوں کو اس غلامی کا گہرا صدمہ تھا۔ اسی لیے کسی نہ کسی رنگ میں آزادی کی طلب ان کے دلوں میں موجود رہی کبھی تحریر کی صورت، کبھی تقریر میں، کبھی سیاسی تحریک تو کبھی جانیں قربان کر کے مسلمانوں نے اس جذبے کو زندہ رکھا مگر ظفر علی خان کا دور فیصلہ کن دور تھا جب مسلمان ایک سیاسی قوت بن کر اپنے مطالبے کے حق میں اعلانیہ جدوجہد کر رہے تھے اور یہی وقت درحقیقت آزمائش کا تھا کیوں کہ اس عملی جدوجہد میں جان، مال، اولاد، ساکھ، عزت، آبرو سب کچھ جا سکتا تھا اسی لیے اس مرحلے پر جو ثابت قدمی دکھائے گا درحقیقت اسے آزادی پسند کہا جائے گا جو شخص کسی بھی مرحلے پر کمزوری دکھائے گا اس کے بارے میں سمجھا جائے گا کہ وہ غلامی ہی کو اپنی قسمت سمجھ کر بیٹھ گیا ہے۔ وہ لوگ جو ثابت قدم رہیں گے، کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے وہی اس امتحان میں سرخرو ہوں گے۔

صرف زبان سے آزادی کی بات کرنا، اس کے حق میں بولنا، یا صرف آزادی کی خواہش کافی نہیں ہے اس کے حصول کے لیے تو عملی جدوجہد کرنا پڑتی ہے جس میں بعض اوقات بڑی بڑی آزمائشیں آتی ہیں، کڑا امتحان ہوتا ہے، ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار رہنا پڑتا ہے تو جو لوگ اس مرحلے پر جوانمردی، ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہیں درحقیقت وہی اپنے دعوے میں سچے ہوتے ہیں، ظفر علی خان بھی قوم کے ہر فرد کو اسی طرز عمل کے لیے تیار کر رہے ہیں اور پرامید ہیں کہ ہر فرد اس امتحان میں سرخرو ہوگا۔

تشریح طلب شعر کا ایک تاریخی پس منظر بھی ہے اور وہ یہ کہ جب سائمن کمشن ہندوستان آیا تو کانگرس نے اس سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا جب کہ مسلم لیگ کے ایک دھڑے نے تو تعاون سے انکار کیا جب کہ ایک دھڑے کا موقف یہ تھا کہ مسلمان انگریزوں سے تعاون کر کے زیادہ آسانی سے اپنے مفادات کا تحفظ کر سکیں گے۔ اس پر کانگرس والوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مسلمان دراصل آزادی چاہتے ہی نہیں۔ تشریح طلب شعر میں اس بات کا جواب موجود ہے کہ آنے والا وقت یہ فیصلہ کرے گا کہ مسلمان آزادی چاہتے ہیں یا نہیں؟

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

شعر نمبر 10،9:

اس بشارت کو نہ سمجھو، ایک دل خوش کُن قیاس
جس کو سن کر ہر مسلماں، شادماں ہو جائے گا
سچ ہے مرا حرف حرف اور جس کو اس میں شک ہے آج
دیکھ لینا کل مرا ہم داستاں ہو جائے گا

تشریح: یہ اشعار، خیالات اور پیش گوئیاں محض مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے نہیں ہیں۔ میری دُور اندیشی انھیں حقیقت کے روپ میں دیکھ رہی ہے۔ لہٰذا جس شخص کو بھی میری رائے سے اختلاف ہے کل وہ میری بات سے اتفاق کرے گا۔

مولانا ظفر علی خان اپنے رجائی خیالات اور امید افزا اشعار کو یقین کا درجہ دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میں حالات وواقعات کا درست اور حقیقت پسندانہ تجزیہ کرتا ہوں پھر اس پر اپنی رائے ظاہر کرتا ہوں اس لیے مستقبل کے بارے میں میرے نظریات کو خوش گمانی نہ سمجھا جائے بلکہ حقیقت میں ایسا ہو کر رہے گا۔ وہ فرد یا قوم جو زوال کی حالت میں ہوتی ہے۔ عام طور پر اس کا تعلق ماضی سے جڑ جاتا ہے۔ وہ حال کی تلخیوں کا مداوا عظمتِ رفتہ میں تلاش کرتے ہیں۔ لیکن ماضی کی عظمت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ انسان مستقبل پر بھی نظر رکھے اور مایوس ہونے کی بجائے امید افزا رویہ اپنائے۔ کیوں کہ اللہ کا وعدہ یہی ہے کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔ مولانا ظفر علی خان کہتے ہیں:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

مولانا ظفر علی خان کا موقف یہ ہے کہ میں جو ایک روشن مستقبل کی خوش خبری سنا رہا ہوں۔ اسے خوش فہمی قرار نہ دیا جائے۔

مولانا ظفر علی خان کے موقف کے مطابق وہ دن دور نہیں جب برصغیر کا ہر شخص آزادی کے اس قافلے میں شریک ہو کر میرے موقف کی تائید کرے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کے مستقبل کا تعین لمحۂ موجود کرتا ہے یعنی جس لمحے میں انسان زندہ ہوتا ہے، زندگی گزار رہا ہوتا ہے اس کا کردار، اس کے اعمال آنے والے وقت کا تعین کرتے ہیں لیکن اگر انسان مستقبل کے بارے میں پرامید نہ ہو اس کے سامنے کوئی منزل نہ ہو تو لمحۂ موجود ہی بیکار چلا جاتا ہے چنانچہ زندگی میں بہتری لانے کے لیے لازم ہے انسان مستقبل کے بارے میں پرامید ہو۔

ظفر علی خان کہتے ہیں میں نے بصیرت کی آنکھ سے مستقبل کا خاکہ دیکھ لیا ہے۔ حالات جس سمت جا رہے ہیں ان کے نتائج وہی برآمد ہوں گے جن کی پیشین گوئی میں نے کی ہے تاہم ممکن ہے کسی کو میرے خیالات سے اختلاف ہو اور وہ مستقبل کو کسی اور رنگ میں دیکھ رہا ہے تو نتائج کے لیے طویل انتظار نہیں کرنا پڑے گا جلد ہی اصل صورت حال سامنے آجائے گی اور مجھ سے اختلاف کرنے والے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ میری پیشین گوئیاں حرف بحرف سچ ثابت ہوں گی۔ مجھ سے اختلاف کرنے والوں کو اس وقت مجھ سے اتفاق کرتے ہی بنے گی اور پھر اس وقت وہ بھی وہی باتیں کریں گے جو آج میں کر رہا ہوں۔ ظفر علی خان کہتے ہیں کہ میں قوم کو خوش کن خواب نہیں دکھا رہا یہ قیافے اور اندازے خواب نہیں ہیں بلکہ مستقبل کے بارے میں میری سوچ حقیقت پر مبنی ہے۔ میں نے برسوں حالات وواقعات کا گہرا مشاہدہ اور تجزیہ کیا ہے تب ان نتائج تک پہنچا ہوں اس لیے مجھ سے اختلاف کرنے کی گنجائش نہیں ہے بلکہ انھیں خطوط پر سوچتے ہوئے مستقبل کی پیش بندی کر لینی چاہیے۔

☆☆☆☆☆

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

برسات
(اختؔر شیرانی)

06

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
افق	وہ جگہ جہاں زمین آسمان ملتے دکھائی دیں
نیلی فام	نیلے رنگ کی
کوہسار	پہاڑ۔ سلسلۂ کوہ
خنداں	مسکراتا ہوا، کھِلا ہوا
چمن	باغ
صبا	صبح کی خوش گوار ہوا
بحر	سمندر

خلاصہ: (بورڈ 2019,22ء)

گھٹاؤں کی نیلے لباس میں ملبوس پریاں ہوا میں تھرتھراتے ہوئے دھومیں مچا رہی ہیں۔ باغ اور مختلف پھول تر و تازہ ہو گئے ہیں۔ بارش کے قطرے ننھے سیاروں اور موتیوں کی طرح زمین پر اُتر رہے ہیں۔ مسلسل بارش کے بعد چاروں طرف پانی ہی پانی ہونے سے سمندر اور خشکی کا فرق مٹ گیا ہے۔ باغ، بہار، سبزہ زار، وادیاں اور پہاڑ رنگین و رعنا ہو گئے ہیں۔ اے اختؔر! باغ میں بہار آئی ہے اور صبح کی ہوا پھولوں کو گھٹاؤں کے دوبارہ آنے کی خبر دے رہی ہے۔

☆☆☆☆☆

شعر نمبر 1

گھٹاؤں کی نیلی فام پریاں، افق پہ دھومیں مچا رہی ہیں
ہواؤں میں تھرتھرا رہی ہیں، فضاؤں کو گدگدا رہی ہیں

تشریح: داؤد خان المعروف اختؔر شیرانی کا شمار مشہور رومانوی شعرا میں ہوتا ہے۔ نظم برسات میں انھوں نے موسم برسات کی دلکش منظر کشی کی ہے۔ زیرِ تشریح شعر میں وہ کہتے ہیں کہ دور جہاں زمین اور آسمان ملتے دکھائی دیتے ہیں وہاں سے سرمئی رنگ کے بادل یوں اڑتے ہوئے آ رہے ہیں جیسے دور دیس سے پریاں اڑتی، ہنستی، قہقہے لگاتی آ رہی ہوں، یہ بادل بالکل پریوں کے انداز میں ہواؤں سے چھیڑ چھاڑ کرتے، ناچتے اور ماحول سے خوش گوار انداز میں مذاق کرتے بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔

بادل آتے ہیں تو ان کے رنگ سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ برسنے والے ہیں یا یوں ہی گزر جائیں گے، جن بادلوں کا رنگ نیلا ہٹ مائل یعنی سرمئی ہوتا ہے برسنے والے سمجھے جاتے ہیں یہ بادل تیزی سے آتے ہیں اور ان کی تہوں سے مختلف شکلیں بھی بنتی دکھائی دیتی ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے پریاں اڑتی ہوئی آ رہی ہیں۔ بادل گرجتے ہیں تو لگتا ہے پریاں ہنس رہی ہیں قہقہے لگا رہی ہیں اور ہوا کے ساتھ جب یہ تیزی سے آگے بڑھتے

www.pakcity.org www.pakcity.org

اور ہر طرف چھاتے دکھائی دیتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے جیسے پریاں ناچ رہی ہوں۔

یہ بادل آتے ہیں تو بچے، جوان، بوڑھے، عورتیں، مرد، کسان، گرمی کے ستائے ہوئے سبھی لوگوں کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے لگتا ہے بادلوں نے ان کے جسم کو انگلیاں چھو کر انھیں ہنسنے پر مجبور کر دیا ہے۔ بادلوں کی ٹھنڈک کا جسم کو چھونا گدگدانے کے مترادف ہے اور اس خوش گوار تاثر سے خوش ہونا گویا اس گدگدانے کا اثر قبول کرنا ہے۔ آسمان پر چہل پہل اور ہنگامے کی سی کیفیت دکھائی دیتی ہے جس سے ماحول بہت خوش گوار ہو گیا ہے۔ انسانی شخصیت اور اس کے مزاج پر گردوپیش کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے۔ ماحول اگر خوش گوار ہو تو انسان کی ذات پر اس کے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اختر شیرانی کا موقف یہ ہے کہ برسات کے موسم میں افق پر نمودار ہونے والی بدلیاں اتنی خوب صورت دکھائی دیتی ہیں کہ بے ساختہ ہمارے ذہن میں پریوں کا خیال آتا ہے۔ گویا ان بدلیوں کی خوب صورتی کو ظاہر کرنے کے لیے روزمرہ کی زندگی سے کوئی مثال پیش کرنا ممکن نہیں۔ جیسے آتش نے کہا:

جھومتی آتی ہے مستانہ گھٹا برسات کی
ساتھ کیفیت کے چلتی ہے ہوا برسات کی

شعر نمبر 2:

چمن شگفتہ، دمن شگفتہ، گلاب خنداں، سمن شگفتہ
بنفشہ و نسترن شگفتہ ہیں، پتیاں مسکرا رہی ہیں

تشریح: بادلوں سے باغ، چھوٹی پہاڑی، چنبیلی، بنفشہ اور نسترن تروتازہ ہو گئے ہیں۔ گلاب اور اُس کی پتیاں مسکرا رہی ہیں۔

اختر شیرانی بادل آنے کے بعد کا منظر بیان کر رہے ہیں کہ سورج کی گرمی نے باغ اور چھوٹی پہاڑی پر موجود ہر شے کو بے حال اور نڈھال کر دیا تھا۔ لیکن بادل آنے سے باغ اور چھوٹی پہاڑی پر موجود ہر چیز تروتازہ ہو گئی ہے۔ دراصل جب بادل آتے ہیں تو باغات شگفتہ ہو جاتے ہیں۔ درخت، پودے، پھول، پھل، سب تروتازہ ہو جاتے ہیں، سبزے میں جان پڑ جاتی ہے۔ رنگ اور زیادہ نکھر جاتے ہیں۔ بادل آتے ہیں تو پہاڑوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے میدانوں میں خوش گواریت کا احساس ہوتا ہے۔ بادلوں سے ان وادیوں میں موجود پودے، پھول اور گھاس ہری بھری ہو جاتی ہے۔

اختر شیرانی کالے بادلوں کے آنے سے ماحول پر پڑنے والے خوش گوار اثر کا تذکرہ کرتے ہیں کہ پھول، کلیاں، وادیاں، باغ ہر شے خوشی سے سرشار ہو کر مسکرا رہی ہے۔ گلاب جو نازک ترین پھول ہے دھوپ سے کملا رہا ہوتا ہے تو بادل آتے ہی اس میں بھی تروتازگی آ جاتی ہے اور وہ مسکراتا محسوس ہوتا ہے۔ جب بادل آتے ہیں تو چنبیلی کا پھول بھی شگفتہ ہو جاتا ہے اور اس کی بھینی بھینی خوشبو میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کا نرم و نازک پھول کھل سا جاتا ہے۔ برفانی پہاڑوں میں اور دریاؤں کے کنارے اگنے والی خودرو بوٹی بھی بادلوں کی وجہ سے خوب صورت ہو کر اپنی بہار دکھا رہی ہے اسی طرح سیوتی کا پھول بھی بادلوں کی وجہ سے خوب صورت لگ رہا ہے۔ غرض بادلوں نے مختلف پھولوں کو جو دھوپ سے بے جان ہو چکے تھے تروتازہ اور خوش گوار کر دیا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے:

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغِ چمن
پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

شعر نمبر 3: (بورڈ 2007)

یہ مینہ کے قطرے مچل رہے ہیں، کہ ننھے سیارے ڈھل رہے ہیں
افق سے موتی ابل رہے ہیں، گھٹائیں موتی لٹا رہی ہیں

تشریح: بارش کے قطرے ننھے سیاروں اور چمک دار موتیوں کی طرح زمین پر اتر رہے ہیں، کالے بادل ہیں جو یہ خزانہ تقسیم کر رہے ہیں۔

اختر شیرانی بارش برسنے کے منظر کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ جب بارش ہوتی ہے تو آسمان سے بے شمار پانی کی قطرے زمین پر اترنے لگتے ہیں تو ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے آسمان سے ننھے ننھے سیارے زمین پر اُتر رہے ہوں۔ اختر شیرانی بارش کے قطروں کو ننھے سیاروں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ مینہ کے قطرے یوں پانی میں ٹپکتے ہیں جیسے شریر بچے چھلانگیں لگاتے اور کودتے پھرتے ہیں۔ یہ ننھے قطرے چمکتے ہیں تو لگتا ہے موتی ہوں جو افق کے اس پار کے دیس سے کسی سخی نے تحفے میں بھجوائے ہوں وہ سخی ان گھٹاؤں کے سوا کون ہوسکتا ہے۔

بارش کے قطرے بادلوں سے یوں زمین پر آ رہے تھے جیسے کوئی مٹھیاں بھر بھر کے موتی لٹا رہا ہو۔ اختر شیرانی استعارے کی مدد سے مینہ برسنے کے عمل کی تصویر کشی کر رہے ہیں۔ کسی بھی صداقت یا حقیقت کو حرف بہ حرف بیان کرنے کے لیے استعارے کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے۔ بارش کے قطرے بلندی سے زمین کی طرف آتے ہیں تو اس حرکت کو اختر شیرانی سیاروں کی حرکت کی مانند سمجھتے ہیں چوں کہ سیارے روشن بھی ہوتے ہیں تو بارش کے قطروں اور سیاروں میں دوسرا اشتراک دونوں کی چمک دمک ہے۔ اسی طرح موتی بھی چمک دار ہوتے ہیں بلکہ فارسی میں چمک کے لیے آب کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

برسات کا ذکر نظیر اکبر آبادی سے لے کر موجودہ زمانے تک مختلف شاعروں نے مختلف حوالوں سے کیا ہے۔ کہیں اس کا ذکر موسم کی خوش گواری کے ساتھ ہوا ہے، کہیں چٹ پٹے کھانوں کے ساتھ تو کہیں محبت کے جذبات کے حوالے سے۔ جوش ملیح آبادی کی نظم ''ماں جائے کی یاد میں'' بہن بھائی کی محبت کو برسات کے پس منظر میں رکھ کر پیش کیا گیا ہے۔

شعر نمبر 4: (بورڈ 2007)

نہیں ہے کچھ فرق بحر و بر میں، کھنچا ہے نقشہ یہی نظر میں
کہ ساری دنیا ہے اک سمندر، بہاریں جس میں نہا رہی ہیں

تشریح: بارش کے بعد خشکی اور سمندر کا فرق مٹ گیا ہے۔ ہر طرف پانی ہی پانی ہونے سے ساری دنیا ایک سمندر دکھائی دیتی ہے جس میں بہاریں نہا رہی ہوں۔

بارش کے بعد یوں لگتا ہے ہر جگہ سمندر نمودار ہو گیا ہو۔ پھر خشکی اور تری کا فرق مٹ جاتا ہے۔ ہر طرف پانی ہی پانی دکھائی دیتا ہے اور اس وافر مقدار میں یہ لگتا ہے ساری دنیا ایک سمندر میں تبدیل ہو گئی ہو اور جس طرح لوگ سمندر میں جا کر نہاتے ہیں، غوطے لگاتے ہیں، لطف اندوز ہوتے ہیں اسی طرح بارش کے بعد ہر طرف نمودار ہو جانے والے پانی میں بھی بہاریں، رونقیں، نکھار اور تازگی نہا کر لطف اندوز ہو رہی ہو۔ برسات کے بعد ہر چیز پر نکھار آ جاتا ہے اور خود بخود ایک خوش گواریت کا تاثر ابھرتا ہے وہ اسی پانی سے ابھرتا ہے اس لیے اسے برسات میں نہانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی زندگی کا نقطۂ آغاز پانی کو قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وجعلنا من الماءِ کل شیءٍ حی۝ ''اور ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندہ کیا۔''

بارش اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک گراں قدر نعمت ہے۔ اگر بارش نہ ہو تو زمین سے زندگی کے آثار ختم ہونے لگیں۔ قحط سالی پھیل جائے اور لوگ ایک ایک دانے کو ترسنے لگیں۔ گویا بارش کا ہونا زندگی کی بقا کے لیے لازمی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ بارش ہونے کے عمل میں ایک خوب صورتی اور دل کشی بھی موجود ہے۔ بعض اوقات جولائی اگست کے مہینے میں حبس اتنا بڑھ جاتا ہے کہ سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایسے

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

میں ہر شخص کی نگاہیں آسمان پر ٹکی ہوتی ہیں کہ کہیں کوئی بادل کا ٹکڑا دکھائی دے اور امید ہو کہ مینہ برسنے والا ہے۔ جب ایسے میں موسلا دھار بارش ہو جاتی ہے، چھاجوں پانی برستا ہے، جل تھل ہو جاتا ہے تو انسان روح کی گہرائیوں تک خوشی محسوس کرتا ہے۔ اختر شیرانی کا موقف یہ ہے کہ اتنی زوردار بارش ہو رہی ہے کہ ساری دنیا سمندر میں بدلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ خشکی اور پانی میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا اور اس بارش میں پھول، پتے، درخت نہاتے ہوئے بڑے کھلے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں کہ بارش سے مظاہرِ فطرت کا حسن دو چند ہو گیا ہے۔

شعر نمبر 5:

چمن ہے رنگیں، بہار رنگیں، مناظرِ سبزہ زار رنگیں
ہیں وادی و کوہسار رنگیں، کہ بجلیاں رنگ لا رہی ہیں

تشریح: بارش کے بعد باغ، بہار، سبزہ زار، وادیاں اور پہاڑ رنگین و رعنا ہو گئے ہیں۔ یہ سارے رنگ بجلیوں کی بدولت ہیں۔

باغ ہرے بھرے درختوں، سبزہ اور رنگ برنگ پھولوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ غور کریں تو باغ ہوتا ہی رنگین ہے مگر گرد و غبار ان رنگوں کو دھندلا دیتا ہے۔ اس پر دھوپ جو پودوں کو کملا دیتی ہے اور ان میں تازگی ختم ہو جاتی ہے مگر یہ بارش ہی ہے جو باغ کو اس کے رنگ اور پودوں کو ان کی تازگی لوٹاتی ہے پورے کا پورا باغ دوبارہ رنگین ہو جاتا ہے تو بہار اپنے حقیقی روپ میں نظر آتی ہے، باغ کیا اس کے ارد گرد میدان، کھیت، وادیاں اور چراگاہیں بھی انھیں رنگوں سے سج جاتی ہیں دور دور تک پھیلے پہاڑی سلسلوں پر رنگوں کی اجرک تن جاتی ہے اور جب بجلی چمکتی ہے تو یوں لگتا ہے جیسے ان رنگوں کو کسی نے مزید چمکا دیا ہو۔ اقبالؒ کا کہنا ہے:

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغِ چمن
پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن

زندگی کے آغاز اور بقا کے لیے پانی انتہائی اہم چیز ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ زندگی کا نقطۂ آغاز پانی کو قرار دیتا ہے۔ نباتات ہوں، حیوانات ہوں، انسان ہوں پانی کے بغیر ان کا باقی رہنا ممکن نہیں لیکن پانی کی اس حیاتیاتی ضرورت سے قطع نظر جب یہ پانی بارش کی صورت میں بادلوں سے گھر رہا ہو ہر شے بڑی خوب صورت دکھائی دیتی ہے۔ وہ وادیاں ہوں یا پہاڑی سلسلے، ہرے بھرے میدان ہوں یا باغ، پھول ہوں یا پودے، بارش میں اور بارش ہونے کے بعد مظاہرِ فطرت کی خوب صورتی بارش کے پانی سے دھل کر بڑھ جاتی ہے۔

اختر شیرانی کا موقف یہ ہے کہ برسات ہونے پر جس طرف بھی نظر دوڑائیں ہر منظر خوب صورت دکھائی دیتا ہے۔ گویا ساری کائنات بہار کے موسم میں دیدہ زیب ہو جاتی ہے۔

موسموں اور جغرافیائی حالات کا بھی بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ میدانی علاقوں میں سورج کی تمازت گرمیوں میں تکلیف دہ حد تک بڑھ جاتی ہے۔ برفانی علاقوں میں سردیوں کا موسم ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے لیکن برسات کا موسم ایسا موسم ہے کہ انسان جہاں کہیں بھی ہو ہر منظر خوب صورت لگتا ہے۔

شعر نمبر 6:

چمن میں اختر بہار آئی، لہک کے صورت ہزار آئی
صبا گلوں میں پکار آئی، اٹھو گھٹائیں پھر آ رہی ہیں

مفہوم: اے اختر باغ جو لُو کے تھپیڑے سہہ سہہ کر نڈھال ہو گیا تھا اور دھوپ نے اس کے چہرے کے خد و خال دھندلا دیے تھے، باغ کا جوبن، جوانی اور تازگی برسات نے لوٹا دی ہے اس طرح ہوا کا ہر جھونکا ہر طرح کی خوشبوئیں لیے چلا آ رہا ہے۔ ٹھنڈی ہوا بھی پھولوں سے اٹکھیلیاں کرتی پھر رہی ہے۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

07

ہلالِ استقلال
(حفیظ جالندھری)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
استحکام	مضبوطی، پائیداری
انگشت	انگلی
طارق	طارق بن زیادؒ فاتح اندلس
پرتو	عکس
صلاح الدین	صلاح الدین ایوبیؒ، جس نے متعدد بار صلیبی جنگوں میں مغرب کو عبرت ناک شکست دی۔
نوید	خوش خبری
محمود	سلطان محمود غزنویؒ۔ غزنی کا حکمران جس نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے۔
عَلَم	جھنڈا
استقلال	استحکام، مضبوطی
سحابِ جُود	سخاوت کا بادل، بہت زیادہ سخاوت

www.pakcity.org
EDUCATION
pakcity.org

خلاصہ: (بورڈ 17-2016ء)

ہلالِ استقلال ہماری ثابت قدمی اور مضبوطی کا نشان ہے جو ہمیں شہیدوں اور غازیوں کی طرف سے انعام میں ملا ہے۔ اِس پر موجود ہلال، توحید ورسالت کی گواہی دے رہا ہے۔ یہ پرچم حضرت خالدؓ بن ولید کی بہادری اور امام حسینؓ کی دلیرانہ زندگی اور پروانہ وار قربانی کا نشان ہے۔ یہ جھنڈا محمد بن قاسمؒ کی سخاوت، طارق ابن زیادؒ، صلاح الدین ایوبیؒ اور محمود غزنویؒ کی بہادری کی گواہی دے رہا ہے۔ یہ ہماری کامیابی کی علامت ہے اور ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی جانے والی ایک خوش خبری ہے۔ یہ ہمارے شان دار ماضی کی روایات کا عکاس ہے اور ہمارے ملک کی سالمیت کی نشانی ہے۔

☆☆☆☆☆

شعر نمبر 1: (بورڈ 2012-2011-2008)

یہ استقلال کا پرچم ہے، استحکام کا پرچم
شہیدوں غازیوں کے ہاتھ سے، انعام کا پرچم

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

تشریح: ہلالِ استقلال ہماری ثابت قدمی اور مضبوطی کی نشانی ہے۔ یہ ان گنت شہیدوں اور غازیوں کی قربانیوں کے نتیجے میں ہم تک پہنچا ہے۔ کسی بھی قوم یا ملک کا پرچم اس کی پہچان ہوا کرتا ہے۔ اس کی عزت اور وقار کی علامت ہوتا ہے۔ میدان جنگ میں اس پرچم کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اس کی سربلندی سے فوجیوں اور سپاہیوں کے حوصلے بلند ہوتے ہیں اور اس کا سرنگوں ہو جانا فوج کی شکست کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ آغاز اسلام ہی سے جب غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو عَلَم کو خصوصی اہمیت دی گئی حضور ﷺ بذات خود علم بردار مقرر کیا کرتے تھے اس وقت سے لے کر آج تک اس پرچم کی سربلندی کے لیے بے شمار قربانیاں دی گئیں۔ کتنے ہی لوگوں نے اپنی زندگی کا نذرانہ پیش کیا۔ آج یہ علامت ہمارے پاس ہے تو ضروری ہے کہ ہم اسے اللہ تعالیٰ کا خاص انعام سمجھیں جو نسل در نسل چلتا ہوا آج ہمارے پاس پہنچا ہے۔ ضمیر جعفری کا کہنا ہے:

رحمت کا دامان یہ پرچم عزت کا سامان یہ پرچم
غیرت کا عنوان یہ پرچم ملت کی پہچان یہ پرچم

یہ پرچم دشمن کے مقابلے میں ہمارے ڈٹے رہنے اور ہماری مضبوطی کی دلیل ہے۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں صرف فوجیوں نے ہی میدانِ جنگ میں بہادری کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ پاکستان کے ہر شہری نے انتہائی بہادری اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ خاص طور پر تین شہر لاہور، سیالکوٹ اور سرگودھا کے باسیوں نے اس پامردی کا اظہار کیا کہ جنگ کے اختتام پر ان شہریوں کو اس بہادری کے اعتراف کے طور پر ہلالِ استقلال عطا کیا گیا۔ یہ ایسا انعام ہے جو اللہ کے راستے میں جان دینے والوں، اس کی راہ میں لڑنے والوں اور جنگ جیتنے والوں کے لیے ہے۔

شعر نمبر 2: (بورڈ 2008-2011-2012)

ہلالی خنجر، انگشتِ شہادت کا اشارا ہے
یہ سیف اللہ کا پرتو، فلک پر آشکارا ہے

تشریح: ہلالِ استقلال میں موجود خنجر توحید و رسالت کی گواہی دے رہا ہے۔ یہ اللہ کی تلوار (حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا لقب) کا سایہ ہے جو آسمان پر لہرا رہا ہے۔

پرچم پر موجود ہلال مسلمانوں کی بہادری کی گواہی ہے۔ ہمارے پرچم پر ہلال (ابتدائی دنوں کا چاند) توحید و رسالت کی گواہی دے رہا ہے۔ اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیا کرتے تھے تو اشهد ان لا اله الا الله، پر اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی بلند کرتے تھے اور جب اشهد ان محمدا رسول الله کہتے تو اسی انگلی سے اُس طرف اشارہ کرتے جہاں حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے اس لیے اس انگلی کو انگشتِ شہادت کہتے ہیں۔ دوسرا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اسی انگلی کے اشارے سے حضور ﷺ نے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا تھا۔ یہ معجزہ رسالت کی گواہی تھا۔ اس لیے بھی اس انگلی کو انگشت شہادت کہا جاتا ہے۔ حفیظ جالندھری کا موقف یہ ہے کہ ہمارے جھنڈے پر چاند کی علامت ہمارے عقیدۂ توحید اور رسالت کو ظاہر کرتی ہے کہ "اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور آخری رسول ہیں۔" ضمیر جعفری نے پرچم پر موجود چاند تارے کے بارے میں کہا ہے:

روشن روشن پیارا پیارا بڑھتا چاند چمکتا تارا

اس کے ساتھ ساتھ یہ چاند سیف اللہ (اللہ کی تلوار) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بہادری کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا شمار انتہائی بہادر اور چند گنے چنے سپہ سالاروں میں ہوتا ہے جن کی زندگی کا بیشتر حصہ میدانِ جنگ میں گزرا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فتح کی علامت تھے۔ جس لڑائی میں شریک ہوتے لڑائی جیت لیتے تھے۔ جنگ موتہ سے واپسی پر آپ کو حضور ﷺ نے سیف اللہ کا خطاب عطا کیا تھا۔ ہمارا پرچم مسلمانوں کی بہادری کی روایت کا امین ہے۔ اور فضاؤں میں لہرا کر دنیا کو بتا رہا ہے کہ اس پرچم کو اٹھانے والے خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے۔

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

شعر نمبر 3: (بورڈ 2022)

ہلال خنجر قومی عَطیہ ہے شہیدوں کا
جو خود قربان ہو کر، بھر گئے دامن نویدوں کا

تشریح: ہلالِ استقلال کی صورت میں موجود خنجر شہیدوں کا دیا ہوا قومی تحفہ ہے جو خود تو قربان ہو گئے مگر قوم کی جھولی میں خوشیاں ڈال گئے۔

قومی پرچم پر چاند کا نشان اُن شہیدوں کی یادگار ہے جنھوں نے اپنی جان دے کر ہمارا مستقبل سنوارا ہے۔ اسلام میں زندگی اور موت کا تصور خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ قرآن مجید میں موت کو نیند سے تشبیہ دی گئی ہے گویا گرد و پیش سے بے خبری کا دوسرا نام موت ہے۔ اس بات کی وضاحت ایک دوسری آیت سے ہوتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''وہ لوگ جو حق کو نہیں پہچانتے، وہ زندہ نہیں مردہ ہیں بلکہ مردوں سے بدتر۔''

اسی طرح بظاہر دنیا سے رخصت ہو جانا، منوں مٹی تلے دفن ہو جانا موت نہیں ہے اگر اللہ کے راستے پر چلتے ہوئے موت واقع ہو جائے تو انسان کو حیاتِ جاوداں حاصل ہو جاتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ: ''اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں، انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمھیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے''۔

مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی قوم یا مذہب پر مشکل وقت آیا تو مسلمانوں نے جان کی پروانہ کی۔ ایک مسلمان زندگی کو اللہ کی امانت سمجھتا ہے اور اللہ کے راستے میں جان دینا اپنی کامیابی سمجھتا ہے۔

حفیظ جالندھری کا موقف یہ ہے کہ ہمارے پرچم پر چاند کی صورت میں خنجر کا نشان دراصل اُن شہیدوں کا تحفہ ہے جنھوں نے اپنی جان قربان کر دی لیکن ہمارے لیے ایک بہتر اور روشن مستقبل کی خبر دے گئے، ہمارے راستے کی رکاوٹوں کو ختم کر گئے۔ جب ایک مسلمان اللہ کے راستے میں جان قربان کرتا ہے تو خود اسے تو کامیابی حاصل ہوتی ہی ہے وہ قوم کو بھی مصیبتوں سے نجات دلا دیتا ہے۔ اس کی شہادت قوم کی بقا کا وسیلہ بن جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ ہمارے شہیدوں نے وطن کے دفاع کے لیے اپنی جانیں قربان کیں۔ وہ اپنی زندگی میں اپنے وطن کے دفاع کے لیے کوشاں رہے اور آج وطن کی خاطر اپنی جانیں قربان کر کے اگرچہ وہ خود دنیا سے اوجھل ہو گئے ہیں لیکن اُن کی شہادت کی بدولت قوم کو نئی زندگی مل گئی ہے۔

شعر نمبر 4: (بورڈ 2022)

حسین ابن علیؓ کے اسوۂ مردانہ کا پرچم
برائے شمعِ ملت، سوزشِ پروانہ کا پرچم

تشریح: ہلالِ استقلال حضرت حسینؓ کی بہادری اور شجاعت کا نشان ہے اور یہ ملک کی شمع کے لیے پروانوں کی قربانی کو ظاہر کرتا ہے۔

سبز ہلالی پرچم امام حسینؓ کی استقامت اور ملتِ اسلامیہ کے لیے قربانی دینے کی علامت ہے۔ ہمارا سبز ہلالی پرچم اس بات کی گواہی ہے کہ ہر زمانے میں، ہر عہد میں اس کی حفاظت کے لیے مسلمانوں نے پروانہ وار اپنی جانیں نچھاور کیں۔ وہ محبت جو پروانے کو شمع سے ہوتی ہے اور جس طرح وہ شمع پر جل مرتے ہیں اسی طرح مسلمان اپنے پرچم کی حفاظت کے لیے کٹ مرنے کو تیار رہتے ہیں۔ بالکل اُسی طرح جس طرح امام حسینؓ نے اپنی ثابت قدمی سے یہ ثابت کیا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے باطل قوتوں کے سامنے ہم نے سر نہیں جھکانا۔ امام حسینؓ نے حق کا پرچم سر بلند رکھنے کے لیے اپنا گھر بار چھوڑا، عزیز و اقربا کی اور خود اپنی جان کی قربانی دی لیکن اسلام پر آنچ نہیں آنے دی۔ امام حسینؓ کو نانا کا شہر چھوڑنا پڑا۔ حج کو عمرے میں بدلنا پڑا۔ کربلا کے بے آب و گیاہ صحرا میں بھوکا پیاسا رہنا پڑا۔ آپ نے ہر مصیبت کو کشادہ پیشانی سے برداشت کیا۔ جب سارے عزیز و اقارب شہید ہو گئے تو آپؓ کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ اے اللہ! ہم تیرے لکھے ہیں پر راضی اور تیرے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

یہ کہہ کے ڈوب گیا آفتابِ عاشورہ
رہے حسین کی تا حشر روشنی باقی

امت مسلمہ کا پرچم آج بھی اس بات کا امین ہے کہ امتِ مسلمہ کا ہر فرد اپنی جان تو دے سکتا ہے لیکن اس پرچم کو جھکنے نہیں دے سکتا۔ اُمتِ مسلمہ کے ہر فرد کو اپنے وطن سے ویسا ہی پیار ہے جیسا پروانے کو شمع سے ہے۔ جس طرح پروانہ شمع کے لیے اپنی جان قربان کر دیتا ہے اُسی طرح 1965ء کی جنگ میں ہمارے شہیدوں نے ملک کی شمع کے لیے اپنی جانیں خوشی خوشی قربان کر دیں۔

شعر نمبر 5:

محمد ابنِ قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے سحابِ جُود کا پرچم
یہ طارق رحمۃ اللہ علیہ کا، صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کا، محمود رحمۃ اللہ علیہ کا پرچم

تشریح: ہلالِ استقلال محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی سخاوت کی علامت ہے۔ یہ طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ، صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ اور محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی بہادری کو ظاہر کرتا ہے۔ ہمارا یہ پرچم مسلمانوں کے عظیم سپہ سالاروں کی نشانی ہے۔ امتِ مسلمہ کے پاس جو پرچم موجود ہے، یہ بتاتا ہے کہ اس پرچم کی سر بلندی کے لیے محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سیکڑوں میل کا سفر کر کے برصغیر پہنچا، راجہ داہر کو شکست دی اور برصغیر میں اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی۔ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ بہادر تو تھا ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ انتہائی سخی بھی تھا۔ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی فیاضی کے باعث اس کے جانے کے بعد ہندوستان کے لوگوں نے اس کے مجسمے بنا لیے اور اسے دیوتا کا درجہ دیا۔ یہی پرچم ہے جو ہمیں اس واقعے کی یاد دلاتا ہے جب طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ اندلس کے ساحل پر اترا، کشتیاں جلا دیں اور ایسی اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی جو سپین میں تقریباً 800 سال قائم رہی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنی نظم ''طارق ابن زیاد رحمۃ اللہ علیہ'' مین کہتے ہیں۔

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے
جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

یہی وہ پرچم ہے جو صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس صلیبی جنگوں میں تھا جو یروشلم میں بیت المقدس پر لہرایا۔ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ ایسا بہادر سپہ سالار تھا جس کی فوجی حکمتِ عملی کے دشمن بھی معترف رہے ہیں جس نے مشرقِ وسطیٰ میں عیسائیوں کی یلغاروں کو بڑی پامردی سے روکا۔ صلیبی جنگوں میں مسلمان فوج کی کامیابی صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی بہادری کی مرہونِ منت ہے۔ اس طرح فاتح سومنات محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ جس نے برصغیر پر 17 حملے کیے، سومنات کے بُت کو توڑا اور برصغیر میں برہمنوں کے تسلط کو ختم کیا۔ گویا اسلام کا یہ پرچم جس بھی مجاہد یا سپہ سالار کے ہاتھ میں آیا اُس نے تاریخ میں ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

شعر نمبر 6: (بورڈ 2018ء)

یہ پرچم ہے نشاں، عالم میں فتح و کامرانی کا
زمیں پر ابرِ رحمت ہے، نویدِ آسمانی کا

تشریح: ہلالِ استقلال دنیا میں ہماری کامیابی اور جیت کی علامت ہے۔ یہ زمین والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جانے والی خوش خبری ہے۔

سبز ہلالی پرچم اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور کامیابی کی ضمانت ہے۔ کوئی بھی شے جن صفات کی بنیاد پر اپنی پہچان کراتی ہے۔ یہ صفات اس

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

شے کے ساتھ اس طرح جڑی ہوئی ہوتی ہیں کہ صفت اور موصوف کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ گویا وہ لازم و ملزوم کا درجہ رکھتی ہیں۔ حفیظ جالندھری کا موقف یہ ہے کہ اسلامی پرچم دنیا میں کامیابی کی علامت ہے۔ دنیا والوں نے دیکھا کہ چند سالوں میں مسلمان جزیرہ نمائے عرب سے نکلے اور اپنے زمانے کی تین بڑی سلطنتوں ایران، روم اور مصر کو فتح کر لیا۔ ایشیا، افریقہ اور مشرقی یورپ کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ مسلمانوں نے جس سمت اپنا قدم بڑھایا کامیابی کے جھنڈے گاڑتے چلے گئے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ پرچم بالکل اسی طرح ایک نعمت، ایک خوش خبری ہے۔ جس طرح آسمان سے پانی برستا ہے تو وہ زمین پر رہنے والوں کے لیے رحمت بن جاتا ہے کہ اسی سے زندگی کی بقا جوی ہوتی ہے۔ پانی زندگی کی بنیاد ہے۔ اگر پانی نہ ہو تو نباتات، حیوانات اور انسانوں کا زندہ رہنا ناممکن ہے۔ آسمان سے برسنے والا پانی اہلِ زمین کے لیے اللہ کی رحمت ہے۔

ہمارا پرچم یہ پیارا پرچم
یہ پرچموں میں عظیم پرچم
عطائے ربِ کریم پرچم
ہمارا پرچم یہ پیارا پرچم

شعر نمبر 7: (بورڈ 2018ء)

یہ پرچم ہے روایات عظیم الشان کا پرچم
یہی پرچم ہے استقلال پاکستان کا پرچم

تشریح: ہلالِ استقلال مسلمانوں کی عظیم تاریخی روایات کا آئینہ دار ہے اور یہ پاکستان کی سالمیت کی ضمانت دیتا ہے۔

ہمارا قومی پرچم موجودہ زمانے میں تشکیل نہیں پایا بلکہ حضور ﷺ کے زمانے سے لے کر عصرِ حاضر تک مسلمانوں کی عظیم روایات کی عکاسی کرتا ہے۔ یہی وہ پرچم ہے جو حق و باطل کی ہر کشمکش کے دوران میں مسلمان مجاہدین کے ہاتھ میں رہا۔ جس کی حفاظت و سربلندی کے لیے مسلمانوں نے بے شمار قربانیاں دیں۔ جسے اونچا رکھنے کے لیے بے شمار مسلمان شہید ہوئے۔ اب یہ پرچم پاکستان کے حصے میں آیا ہے اور یہ ہمارے ملک کی سالمیت اور مضبوطی کا امین ہے۔ پاکستان جو ہمیشہ کے لیے قائم رہنے کے لیے وجود میں آیا، جو اقوامِ عالم میں ساتویں اور اسلامی دنیا میں پہلی ایٹمی قوت ہے۔ یہ پرچم فضا کی بلندیوں میں لہرا لہرا کر اعلان کر رہا ہے کہ پاکستان کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کی بہادری کی عظیم الشان روایت حضور ﷺ کے عہد سے شروع ہوتی ہیں۔ حضور ﷺ نے جس مجاہد کو بھی پرچم عطا کیا وہ میدانِ جنگ سے کامیاب لوٹا۔ حضور ﷺ کے بعد مسلمانوں کی چودہ صدیوں پر محیط تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی مسلمان اللہ کا نام لے کر اٹھے وہ چاہے فتح مصر کا مرحلہ ہو، جنگ قادسیہ ہو، شام کا معرکہ ہو، ہندوستان کی فتح ہو یا اندلس کی سرزمین پر طارق ابن زیاد کا جانا ہے۔ مسلمان ہمیشہ کامیاب و کامران قرار پائے۔ باطل قوتوں کے سامنے مسلمان لوہے کی دیوار بن کر ڈٹے رہے۔ حفیظ جالندھری کا موقف ہے کہ یہ پرچم ہمیں ماضی کے مسلمانوں کی شان دار روایات کی یاد دلاتا ہے۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

08

خطاب بہ جوانانِ اسلام

(علامہ محمد اقبالؒ)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

مفہوم	الفاظ
غور کرنا، سوچنا	تدبر کرنا
ایران کا بادشاہ	دارا
آسمان	گردُوں
گود	آغوش
تمدن پیدا کرنے والا یعنی دنیا کو تہذیب سے آشنا کرنے والا	تمدن آفریں
پیدا کرنے والا، بنانے والا	خلاق
حکمرانی، حکومت کرنا	جہاں داری
اونٹ پالنے والے، اونٹ چرانے والے، عرب لوگ مراد ہیں	شتربان
امیری	امارت
فقیری، بے سروسامانی	گدائی
قوتِ متخیلہ، خیال، تصور	تخیل
ورثہ، ترکہ	میراث
امیر آدمی	منعم
بڑھ کر	فزوں تر
باپ دادا	آبا
تعلق	نسبت
بولنا، مراد ہے "باتیں ہی باتیں"	گفتار
عمل	کردار
ایک ہی مقام پر رکا ہوا	ثابت

www.pakcity.org
pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

سیارا	متحرک
اسلاف	باپ دادا، پچھلے بزرگ، آباؤاجداد
آئینِ مسلّم	مانا ہوا اصول۔ طے شدہ اصول
ثریا	سات ستارے جو پاس پاس ہوتے ہیں۔ بلندی۔

خلاصہ: (بورڈ 2007-08-10-11-12,19)

اے مسلمان نوجوان! کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ تمھارا تعلق ایک ایسی عظیم قوم سے ہے جس نے دارا جیسے بادشاہ کے تاج کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا تھا۔ اُس صحرائی قوم نے دنیا کو نئی تہذیب دی اور آدابِ حکمرانی سکھائے۔ بادشاہت میں فقیری اور غربت میں غیرت اُن کا خاصہ تھا۔ اے مسلمان نوجوان! تیرا اپنے اسلاف سے کوئی تعلق نہیں ہے کیوں کہ تُو صرف باتیں بناتا ہے، وہ عمل کرتے تھے؛ تُو کاہل ہے، وہ محنتی تھے۔ اسلاف کی وراثت ضائع کر کے تو عروج اور حکومت سے محروم ہو گیا۔ مجھے حکومت چھن جانے کا دکھ نہیں ہے کیوں کہ وہ تو ناپائیدار چیز ہے مگر جب میں اسلاف کی کتابیں یورپ میں دیکھتا ہوں تو میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اے غنیؒ! یعقوب علیہ السلام کی بد قسمتی ہے کہ ان کی آنکھوں کے نور (حضرت یوسف علیہ السلام) نے زلیخا کی آنکھوں کو روشن کیا۔

☆☆☆☆☆

شعر نمبر 1: (بورڈ 2009)

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟
وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا؟

تشریح: عظیم فلسفی شاعر علامہ محمد اقبالؒ برصغیر کے مسلمانوں کے قومی راہنما تھے۔ ان کی شاعری نے اس خطے کے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ زیرِ تشریح شعر میں وہ کہتے ہیں کہ اے مسلمان نوجوان! کیا تم نے کبھی غور و فکر کیا ہے کہ تم کس قوم کے فرد ہو؟ جو قوم آسمان کی سربلندی کی مالک تھی۔

ماضی اور حال کا موازنہ ہے۔ ماضی کی شان و شوکت اور حال کی پسماندگی اور پستی کے اسباب کے محرکات پر سوچنے کی دعوت دی گئی ہے۔ ماضی کے آئینے میں حال اور مستقبل کا رخ دکھانے کی سعی کی گئی ہے۔ مسلمان نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ماضی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے کردار کا تجزیہ کریں۔ نوجوان کسی بھی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ قوم کے مستقبل کا انحصار نوجوانوں کے کردار پر ہوتا ہے اسی لیے تمام مصلحین نوجوان نسل ہی سے مخاطب ہوتے ہیں۔

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں

امتِ مسلمہ نے دنیا کے بیشتر حصے پر کم و بیش ہزار سال تک حکومت کی۔ مسلمان جزیرہ نمائے عرب سے نکلے تو سیلاب بن کر ہر شے کو خس و خاشاک کی طرح بہاتے چلے گئے۔ دنیا کی کوئی طاقت انھیں نہ روک سکی۔ مصر، ایران، روم کی سلطنتیں مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو گئیں۔

علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ جب تک ہمارا ماضی ہمارے سامنے نہ ہو، اُس وقت تک ہم اپنی منزل کا تعین نہیں کر سکتے۔ اس لیے مسلمان نوجوانوں کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس امت کے فرد ہیں۔ ایسی اُمت جو آسمان کی سی بلندی رکھتی تھی اور جس کا ہر فرد ستارے کی مانند تھا۔ اسی صورت میں مسلمان اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتے ہیں جب ہر فرد کوشش اور جدوجہد کرے۔ اقبالؒ قوم کے ہر فرد کو ستارہ قرار دیتے ہوئے یہ نصیحت کر رہے ہیں کہ آج ایک وقت ایسا آ گیا ہے جب دنیا کے کسی بھی خطے پر مسلمانوں کی آزاد اور خود مختار حکومت باقی نہیں رہی۔ اس لیے مسلمان نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی تاریخ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایسی جدوجہد کریں کہ مسلمانوں کی تقدیر بدل جائے۔ کیوں کہ افراد ہی اقوام کی

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

تقدیر بدل سکتے ہیں۔اقبالؒ کا کہنا ہے:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

غور وفکر کر کے ہی انسان اپنی ذات کا، اپنی قوم کا، اپنے معاشرے کا تجزیہ کر سکتا ہے۔جس کے نتیجے میں انسان اپنے لیے راستے کا تعین کرتا ہے۔

شعر نمبر 2:

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

تشریح: مسلمان نوجوان کی تربیت اُن فاتحین کی نگرانی میں ہوئی ہے جنھوں نے دارا جیسے بڑے بادشاہ کے سر کا تاج پیروں تلے روند دیا تھا۔

امتِ مسلمہ کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مسلمان قوم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتی۔ وہ بادشاہ جن کے سامنے لوگ رکوع میں جھک جاتے، سجدے میں گر پڑتے، مسلمانوں نے اُن بادشاہوں کا غرور خاک میں ملا دیا۔

حضور ﷺ ختمی مرتبت نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں مختلف حکمرانوں کو خطوط کے ذریعے اللہ کا آخری پیغام پہنچایا۔ان حکمرانوں میں ایران کا بادشاہ خسرو پرویز بھی شامل تھا۔جب اُس کے سامنے حضور ﷺ کا خط پڑھا جانے لگا جو عرب روایت کے مطابق لکھا گیا تھا۔جس میں خط لکھنے والے کا نام پہلے لکھا جاتا تھا اور مکتوب الیہ کا نام بعد میں لکھا جاتا تھا۔اتنی سی بات پر وہ غصے میں آ گیا اور حضور ﷺ کا خط چاک کر ڈالا۔جب یہ اطلاع حضور ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''عنقریب اسی طرح اُس کی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی''۔

چنانچہ تھوڑے عرصے بعد ہی مسلمانوں کے ہاتھوں ایرانی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔علامہ محمد اقبالؒ مسلمان نوجوانوں کو یہی تاریخی حقیقت بتا رہے ہیں کہ تم ایسی قوم کے فرد ہو جس کے سامنے حکومت، اختیار، اقتدار کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔مسلمان نوجوان کی تربیت اور پرورش اس قوم نے کی جس کے افراد نے ایران کے تخت و تاج کو اپنی ٹھوکروں سے ختم کر دیا تھا۔ایران نے مسلمانوں سے مقابلے کے لیے متعدد اقدامات کیے۔اپنے سب سے اہم سپہ سالار رستم کو فوج کی قیادت سونپی لیکن ایرانی فوج مسلمانوں کے جذبہ جہاد کا سامنا نہ کر سکی اور مٹھی بھر مسلمانوں کی بہادری نے ایرانیوں کو میدانِ جنگ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ایران جو اس عہد کی عظیم سلطنتوں میں سے ایک سلطنت تھی، ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور ایرانی تخت و تاج مسلمانوں کی ٹھوکروں میں آ پڑا۔

یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے
جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

شعر نمبر 3:

تمدن آفریں، خلاق آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب، یعنی شتربانوں کا گہوارا

تشریح: عرب کے صحرا نشیں اور اونٹ چرانے والے لوگوں نے دنیا کو نئی تہذیب دی اور حکمرانی کے آداب سکھائے۔

عام طور پر صحراؤں میں بسنے والے لوگ غیر متمدن زندگی بسر کرتے چلے آئے ہیں۔ بلکہ دنیا کی بڑی تہذیبوں کی بربادی کا سبب اسی

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

طرح کے غیر متمدن لوگ رہے ہیں۔ اس کے برعکس صحرائے عرب میں جب اسلام متعارف ہوا تو صحرا میں رہنے والوں نے صرف اپنے آپ کو ہی مہذب اور متمدن نہیں بنایا بلکہ زندگی گزارنے کا، دنیا پر حکومت کرنے کا ایک ایسا دستور تیار کیا جو ماضی کی طرح آج بھی انتہائی مفید ہے۔

علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ عام طور پر صحراؤں میں رہنے والے، بدوی زندگی گزارنے والے لوگ نہ صرف یہ کہ خود تہذیب یافتہ نہیں ہوتے بلکہ تہذیبی زندگی کو ختم کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ لیکن اسلام ایسا دین ہے کہ جس نے صحرانشینوں کو بھی مہذب بنایا اور اُن سے ایک ایسا دستور تشکیل کرایا جس دستور پر عمل کرتے ہوئے مختلف تہذیبوں نے ترقی بھی کی اور انسانیت کو فروغ بھی حاصل ہوا۔

علامہ اقبالؒ اسلام کے اس انقلاب آفریں پہلو کی طرف ہمیں متوجہ کرتے ہیں۔ عرب جو بظاہر غیر متمدن اور خانہ بدوشانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو پھر نہ صرف وہ خود تہذیب یافتہ ہو گئے بلکہ پوری دنیا کو تہذیب سکھائی۔

کسی بھی تہذیب و تمدن کی ترقی کا دارومدار جن چیزوں پر ہوتا ہے ان میں سب سے اہم علم اور عمل ہے اسلام نے علم کو دینی فریضہ قرار دیا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے''

عمل کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ ''انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے'' یوں اسلام نے تہذیب و تمدن پر ترقی کے راستے کھول دیے۔

شعر نمبر 4:

سماں اَلْــفَــقْــرُ فَــخْــرِیْ کا، رہا شانِ امارت میں
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

تشریح: بادشاہت کے باوجود اُن کی زندگی کا منظر فقیرانہ تھا۔ خوب صورت چہرے کو تہذیب و زینت اور بناؤ سنگھار کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اعلیٰ ظرف انسان کو ظاہری نمود و نمائش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مسلمان حکمران اقتدار میں ہوتے ہوئے بھی فقیرانہ زندگی بسر کرتے رہے کیوں کہ جس طرح خوب صورت چہرے کو بناؤ سنگھار کی ضرورت نہیں ہوتی اس طرح جسے حضور ﷺ کی سیرت کا سرمایہ حاصل ہو جائے اُس کے لیے ظاہری رعب و دبدبہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔

شعر نمبر 5:

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے، بخشش کا نہ تھا یارا

تشریح: وہ اللہ والے غریب ہونے کے باوجود اتنے غیرت مند تھے کہ عطا کرنے والا اُن کی ناراضی کے ڈر سے اُنھیں کچھ دینے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

ماضی کے مسلمان اتنے غیرت مند تھے کہ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی صاحبِ اقتدار اور صاحب اختیار لوگ ان کے رعب اور دبدبے سے ڈرتے تھے۔ ان میں اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اُن کے سامنے، یا اُن کے لیے فیاضی یا سخاوت کا مظاہرہ کریں کیوں کہ مسلمان اپنی ضرورت سے زیادہ مال و دولت کو اپنے دوسرے مومن بھائی کی امانت سمجھتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے موقف کے مطابق خودی کے استحکام کے لیے خود انحصاری اور فقر اختیار کرنا ضروری ہے۔ کہ یہ فقر ہی کے معجزے ہیں کہ مسلمان ساری دنیا پر حکومت کرتے رہے۔

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے دُرویش کو تاجِ سرِ دارا

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

چناں چہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہی فرد اور وہی قوم ترقی کرتی ہے جو دوسری قوموں کے سامنے باوقار انداز میں زندگی بسر کرتی ہے جو غیرت مند ہو، جو دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے بلکہ یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ اُس کے پاس کچھ نہیں کسی میں یہ ہمت نہ ہو کہ وہ اُسے کچھ دینے کا سوچے۔ بقول اقبالؒ:

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

عام طور پر وہ فرد جو کسی کا محتاج ہو وہ اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جاتا ہے اور جب کوئی شخص کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو غیرت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ ماضی کے مسلمان گدائی میں بھی غیرت کے زیور سے مزیّن تھے کہ دینے والا، بخشش کرنے والا گدا سے جھجکتا تھا۔ اقبالؒ کا کہنا ہے:

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جُھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

شعر نمبر 6:

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے، وہ نظارا

تشریح: ماضی کے مسلمانوں کی عظمت میں بتا تو سکتا ہوں لیکن یہ وہ مقام ہے جس کے بارے میں تمھاری سوچ کی بلندی نہیں پہنچ سکتی۔

انسانی سوچ کا انحصار انسانی شعور پر ہوتا ہے جس کا براہِ راست تعلق انسان کے علم سے ہوتا ہے۔ علم جتنا وسیع ہو شعور اتنا زیادہ ہوتا ہے اور اسی اعتبار سے انسانی سوچ میں وسعت بھی آتی ہے۔ کسی بھی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا علم اور اس کا شعور اس قدر ہو کہ وہ حقیقت کو اپنے صحیح سیاق وسباق میں سمجھ سکے اگر حقیقت بڑی ہو اور انسانی فہم کم تر ہو تو انسان اسے نہیں سمجھ سکتا۔ علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ مجھے تو اظہار پر قدرت حاصل ہے اور میں مسلمانوں کے ماضی سے اچھی طرح آگاہ ہوں اور اگر چاہوں تو اس عہد کی تصویر لفظوں میں بیان کر سکتا ہوں لیکن سننے والوں کا کیا کروں کہ مسلمانوں کا ماضی اتنا بلند ہے کہ آج کا مسلمان اور اُس کی سوچ بھی اس بلندی تک نہیں پہنچ سکتی۔

ع کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

علامہ اقبالؒ عصر حاضر کے مسلمانوں کی ذہنی پسماندگی کی طرف متوجہ کراتے ہیں کہ ان کی سوچ، ان کا تخیل بھی غلامی کی وجہ سے پست ہو گیا ہے۔ سوچ کی اڑان بھی اتنی نہیں کہ وہ ماضی کے مسلمانوں کی شان و شوکت کا تعین کر سکیں کہ جب مسلمان معلوم دنیا کے بیشتر حصے پر حکمران تھے۔ دنیا کو سائنس، طب، سرجری، علم فلکیات سے روشناس کرا رہے تھے۔ صدیوں تک مسلمانوں کا یہ جاہ وجلال قائم رہا لیکن جب زوال پذیر ہوئے تو اپنے ماضی کو بھی بھول گئے اور اب ان کے لیے اس کا تصور کرنا بھی ممکن نہیں رہا ہے۔ اقبالؒ کہتے ہیں:

اقبالؒ بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا، کردار کا غازی بن نہ سکا

شعر نمبر 7: (بورڈ 2008-2009)

تجھے آبا سے اپنے، کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ کردار تو ثابت وہ سیّارا

تشریح: اے مسلمان نوجوان! تجھے اپنے آباؤ اجداد سے کوئی نسبت نہیں ہے کیوں کہ تو صرف باتیں کرتا ہے وہ عمل کرتے تھے، تو کاہل ہے وہ

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

محنتی تھے۔ ماضی کے مسلمان عمل پر یقین رکھتے تھے جب کہ آج کل کے مسلمان فقط باتیں کرتے ہیں اس لیے جمود کا شکار ہیں۔ ماضی کے مسلمانوں میں ہمیں تحرک اور عمل دکھائی دیتا ہے۔ وہ جدوجہد پر یقین رکھتے تھے۔ وہی بات کہتے تھے جو کر کے دکھا دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی انسان سے یہی وعدہ ہے کہ

''انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے''۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔''

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ ماضی کے مسلمان اپنے عمل کے بل بوتے پر کوشش اور جدوجہد کر کے زندگی کے ہر شعبے میں قابلِ عزت قرار پائے لیکن مسلمان موجودہ زمانے میں عمل سے جی چُرانے لگے ہیں اور جمود کا شکار ہو گئے ہیں۔ عمل سے یہی دوری مسلمانوں کے زوال کا سبب ہے۔

تھے تو آبا وہ تمھارے ہی مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو

جب ماضی اور حال کے مسلمانوں میں اتنا فرق ہو تو اِن کے درمیان ہمیں کسی بھی طرح کا رشتہ یا تعلق دکھائی نہیں دے سکتا اور علامہ اقبالؒ کا موقف بھی یہی ہے کہ یہ ایک دوسرے سے مختلف نہیں بلکہ متضاد روّیے رکھتے ہیں۔

شعر نمبر 8: (بورڈ 2008,09,22ء)

گنوا دی ہم نے، جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

تشریح: ہم نے اپنے بڑوں کی وراثت ضائع کی تو آسمان نے ہمیں بلندیوں سے پستیوں میں گرا دیا۔

ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے کچھ نہیں سیکھا اسی لیے ہم زوال کا شکار ہو گئے ہیں۔ ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے جو کچھ لیا تھا اس کی حفاظت نہیں کر سکے۔ اسے ضائع کر دیا اس بے پروائی اور غفلت کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ تقدیر نے ہمیں آسمان کی بلندی سے زمین پر لا پھینکا ہے۔ نئی نسل کی تربیت ہمیشہ پرانی نسل کے زیرِ سایہ ہوتی ہے۔ چناں چہ ہر نسل ماضی سے اخلاقی قدریں، معاشرتی روابط، سوچ کے سانچے، پسند نہ پسند کے معیار بہت کچھ ماضی سے بھی حاصل کرتے ہیں۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی، آدمی بناتے ہیں

جب نئی نسل اپنے آباؤ اجداد سے کچھ نہ لینا چاہے، ماضی سے اپنا تعلق توڑ لے، تو اس کا مستقبل بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصاف حجازی نہ رہے

علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ ہمیں اپنے آباؤ اجداد سے جو چیزیں ملی تھیں ہم نے اُن کو فراموش کر دیا ہے ہم اس کی حفاظت نہیں کر

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

سکے، ہم وہ سب کچھ چھوڑ بیٹھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم زوال کا شکار ہو گئے۔

اے خاصۂ خاصانِ رُسُل! وقتِ دعا ہے
اُمت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

یہاں یہ واضح رہے کہ ماضی کے مسلمان عمل پر یقین رکھتے تھے۔ وہ علم کے طلب گار رہتے تھے۔ وہ اخلاقی حوالے سے اعلیٰ سطح پر زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ لیکن ہم عمل سے دور ہو گئے۔ علم سے بے بہرہ ہو گئے۔ اخلاقی سطح پر گراوٹ کا شکار ہو گئے۔

حیدری فقر ہے نے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے

شعر نمبر 9: (بورڈ 2007)

حکومت کا تو کیا رونا، کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا

تشریح: مجھے حکومت کے چھن جانے کا کوئی دکھ نہیں ہے کیوں کہ وہ عارضی اور ناپائیدار چیز تھی اور دنیا کے تسلیم شدہ اُصول کے علاوہ کوئی چارا نہیں ہے۔

ہمیں اسلاف سے وراثت میں حکومت اور علم جیسی دولت ملی۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے دنیا پر صدیوں حکومت کی لیکن پھر ایک وقت ایسا بھی آیا جب مسلمان اقتدار سے محروم ہو گئے۔

دراصل حکومت اور اقتدار حاصل کرنے اور اُسے برقرار رکھنے کے طے شدہ اصول ہوتے ہیں۔ زندگی کا نظام کچھ اصولوں کے تابع ہوتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں بغیر وجہ کے، بغیر کسی سبب کے کوئی تبدیلی نہیں آیا کرتی۔ انہی میں حکومت اور اقتدار بھی شامل ہے۔ اگر کوئی قوم عروج اور ترقی حاصل کرتی ہے تو اُس کے اسباب ہوا کرتے ہیں اور اگر وہ زوال کا شکار ہوتی ہے تو وہ بھی بغیر وجہ کے نہیں۔ علامہ اقبالؒ قوموں کے عروج و زوال کو اس طرح بتاتے ہیں:

میں تجھ کو بتاتا ہوں کہ تقدیرِ اُمم کیا ہے؟
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رُباب آخر

علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر مسلمانوں سے اقتدار چھن گیا ہے تو اس پر رونے دھونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ دنیا کے اصولوں سے فرار ممکن نہیں۔ مسلمانوں نے علم اور عمل کا دامن چھوڑ دیا تھا۔ اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو گئے تھے۔ اُن کے درمیان اتفاق و اتحاد ختم ہو گیا تھا۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں
یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے کہ

''انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے''۔

جب مسلمانوں نے اقتدار برقرار رکھنے کے لیے ضروری اقدامات کرنا چھوڑ دیے تو اُس کا لازمی یہ نتیجہ نکلنا تھا جو ہم دیکھ رہے ہیں۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

شعر نمبر 10: (بورڈ 2022)

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

تشریح: مگر جب میں اپنے آباؤ اجداد کی کتابوں کو (جو علم کا خزانہ ہیں) مسلم ممالک کی بجائے یورپ کی لائبریروں میں دیکھتا ہوں تو میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

انسانی زندگی میں بہت سی چیزیں ہوتی ہیں لیکن ہر شے کی اہمیت الگ الگ ہوتی ہے۔ بعض چیزوں کی اہمیت معمولی درجے کی ہوتی ہے جو چھن بھی جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ لیکن اگر کوئی بہت زیادہ قیمتی چیز ہو تو انسان کو ایسا لگتا ہے جیسے اُس کے پاس تو کچھ بھی باقی نہیں رہا۔

وہ گم ہوا تو مضامین ہو گئے بے ربط
وہی تو تھا جو میرا مرکزی حوالہ تھا

حکومت اور اقتدار تو آنے جانے والی چیز تھی۔ اس کے جانے کا دکھ نہیں ہے لیکن اپنے آباؤ اجداد کی تصانیف، ان کے علمی کارنامے ہم یورپ میں دیکھتے ہیں تو بڑا دکھ ہوتا ہے کہ ہم اپنی علمی روایات کو برقرار نہیں رکھ سکے۔ اپنے علوم کی حفاظت نہیں کر سکے حالاں کہ اسلام واحد مذہب ہے جس نے علم کے حصول کو دینی فریضہ قرار دیا ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان، مرد اور عورت پر فرض ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت کا معیار بھی علم ہے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کو اس دنیا میں بھیجنے کا سبب بھی علم کی ترسیل قرار دیا گیا ہے:

"رسول تم میں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ تمھارے سامنے آیات کی تلاوت کرے، تمھارا تزکیہ نفس کرے اور تمھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے"۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر علم کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔ جب اتنی تاکید موجود ہو، اور مسلمان علم سے دور ہو جائیں علم کی روایات کو آگے تو کیا بڑھانا اُس کی حفاظت بھی نہ کر سکیں تو واقعی یہ دکھ کا مقام ہے۔ ہمیں اسلاف سے وراثت میں علم کی دولت نصیب ہوئی۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ چیز نمایاں ہوتی ہے کہ ہمارے اسلاف نے سائنس کا ہر مضمون متعارف کروایا۔ کئی قیمتی کتابیں لکھیں۔ لیکن افسوس کہ آج ہمارے اسلاف کی کتابوں سے انگریز مستفید ہو رہے ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ جب میں اپنے بڑوں کی کتابیں یورپ میں دیکھتا ہوں تو میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

شعر نمبر 11:

غنی روزِ سیاہ پیرِ کنعاں را تماشا کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

تشریح: اے غنیؔ! تو کنعان کے بوڑھے (حضرت یعقوب علیہ السلام) کی بدقسمتی دیکھ کہ اُس کی آنکھ کے نور (حضرت یوسف علیہ السلام) نے زلیخا کی آنکھ کو روشن کر رکھا تھا۔

☆☆☆☆☆

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

09 پیغام

(علامہ محمد اقبالؒ)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
آشنا	واقف
باراں	بارش
رہرو	راہی، مسافر
اندیشہ	ڈر، خوف
ناخدا	کشتی کھینے والا، ملاّح
محمل	کجاوہ، ایک خاص قسم کی ڈولی جو سواری کے لیے اونٹ پر باندھتے ہیں
قیس	مجنوں کا نام
باطل	جھوٹ
خاشاک	کوڑا کرکٹ
غیر اللہ	اللہ تعالیٰ کے سوا یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ بھی ہے

www.pakcity.org

خلاصہ: (بورڈ 2008,10,13,18)

اے کسان! زراعت کے عمل میں بیج، زمین، بارش اور پیداوار تو ہی ہے۔ اگر تو کسی نصب العین کی تلاش میں ہے تو راستہ، مسافر، رہبر اور منزل تو ہی ہے۔ سمندری سفر میں ملاح، کشتی، سمندر اور ساحل تو ہی ہے۔ اس لیے تجھے چاہیے کہ تو کسی طرح کا ڈر اپنے دل میں نہ آنے دے۔ عشق کے میدان میں قیس اور لیلا تو ہی ہے۔ مستی کے جہان میں ساقی، پیمانہ، مے اور مے خانہ تو ہی ہے۔ تمام مظاہر تیری ہستی کے گرد گھومتے ہیں۔ اے مسلمان! تجھے باطل قوتوں سے نہیں ڈرنا چاہیے کیوں کہ تیرا فرض انھیں مٹانا ہے۔ تو اپنے آپ سے بے خبر ہے ورنہ تو کائنات کی آب و تاب ہے اور زمانے میں اللہ کا آخری پیغام ہے۔

☆☆☆☆☆

شعر نمبر 1:

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں! ذرا
دانہ تُو، کھیتی بھی تُو، باراں بھی تُو، حاصل بھی تُو

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

تشریح: عظیم فلسفی شاعر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے مسلمانوں کے قومی راہنما تھے۔ ان کی شاعری نے اس خطے کے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ زیرِ تشریح شعر میں وہ کہتے ہیں کہ مسلمان اگر کسان ہے تو زراعت کے عمل میں اُسے مرکزیت حاصل ہے۔ بیج، زمین، بارش اور پیداوار وہی ہے۔

نظم پیغام علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور نظم "شمع اور شاعر" سے منتقبس ہے جس میں شمع نے شاعر کو مسلمان کی عظمت کی یاد دہانی کرائی ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ مردِ مسلمان انسانِ کامل ہے۔ اللہ نے جب انسان کی تخلیق کا ارادہ کیا تو فرشتوں سے ہم کلام ہوتے ہوئے انسان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا: اِنی جاعلٌ فی الارض خلیفة ٥ "میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو اپنا خلیفہ قرار دیتے ہوئے اُس کے لیے کائنات کی ہر چیز پیدا کی۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ "دنیا تمھارے لیے بنی۔" اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو انسان کے لیے پیدا کیا اور کائنات کی ہر چیز کو انسان کے تابع اور مسخر کر دیا۔ ارشادِ ربانی ہے: "اور ہم نے زمین کی ہر چیز تمھارے تابع کر دی۔" مردِ مسلمان خدا کا خلیفہ اور جانشین ہونے کی وجہ سے کائنات میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ کائنات کی ہر چیز انسان کے لیے ہی بنائی گئی ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کائنات میں مردِ مسلمان کی مرکزیت کی وضاحت مختلف مثالوں کے ذریعے کی ہے۔ چناں چہ تشریح طلب شعر میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ زراعت کے عمل کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر کسان غور کرے تو اُسے معلوم ہو جائے کہ اُس کی ذات سب سے اہم اور مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ کسان اگر اپنی اہمیت اور حقیقت سے واقف ہو جائے تو یہ بات اُس پر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ زراعت کے عمل میں اُسے مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ کھیت بھی وہی ہے، بیج بھی وہی ہے، برستا پانی بھی وہی ہے اور فصلوں سے جو کچھ حاصل ہو رہا ہے وہ بھی کسان ہی ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان
اپنی خودی پہچان

چار مختلف چیزیں جو اگر الگ الگ ہوں تو اُن کی کوئی اہمیت یا افادیت نہیں ہوتی۔ زمین اُس وقت تک بے کار ہے جب تک اُسے استعمال میں نہ لایا جائے۔ خود بخود تو اس سے نہ فصلیں اُگ سکتی ہیں اور نہ لوگوں کی غذائی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔ بیج اگر بوریوں میں بند رہیں تو ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح بارش بے کار جاتی ہے، اگر زمین میں بیج نہ بوئے جائیں۔ گویا یہ ساری چیزیں اُس وقت کارآمد ہوتی ہیں جب ان میں کسان کی محنت شامل کی جائے۔ کسان جو زمین کو ہموار کرتا ہے، جڑی بوٹیوں کو نکالتا ہے، ہل چلاتا ہے، زمین کو سیراب کرتا ہے۔ یہ اُس کی محنت ہے جو ہمیں اناج کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کسان کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ زرعی عمل میں کسان ہی سب کچھ ہے اس کے سوا سب چیزیں اضافی ہیں۔ کسان کی منزل مقصود فصل حاصل کرنا ہوتی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے لیے کسان کی منزل مقصود اس کی اپنی ذات میں چھپی ہوئی ہے۔ اپنی ذات سے آگہی ہی انسان کو اپنی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذات سے اس آگاہی کو خودی کا نام دیتے ہیں۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تُو اگر میرا نہیں بنتا، نہ بن، اپنا تو بن

شعر نمبر 2:

آہ! کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
راہ تُو، رہرو بھی تُو، رہبر بھی تُو، منزل بھی تو

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

تشریح: تو اپنے آپ سے آگاہ نہیں ورنہ تیری ذات ہی تیرا نصب العین بھی ہے۔ تو خود ہی راستہ ہے اور اس پر چلنے والا بھی، راستہ دکھانے والا بھی اور منزل مقصود بھی۔ اگر تو اپنے آپ کو پہچان لے تو تجھے اِدھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہ پڑے۔

اگر انسان اپنے آپ کو پہچان لے تو اُسے سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔

ارشاد ہے کہ

''جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا گویا اس نے اللہ کو پہچان لیا''

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی   تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن (اقبال)

اپنے آپ سے آگاہ ہونا، اپنی اہمیت سے باخبر ہونے کو علامہ اقبالؒ خودی کا نام دیتے ہیں۔ انسانی سرگرمیوں پر اگر غور کیا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ انسان کی ساری تگ و دو کسی نہ کسی مقصد کے حصول کے لیے ہے۔ مقصد کا حصول، اُس کے لیے راستے کا تعین اور اُس راستے پر چلنے کے لیے ایک راہ نما کی ضرورت انسان کو ہمیشہ رہتی ہے۔ بعض اوقات انسان ساری زندگی گزار لیتا ہے لیکن اُس پر یہ واضح نہیں ہوتا کہ وہ جو کچھ کرتا رہا ہے وہ کس لیے اور کس کے لیے کرتا رہا ہے۔ لیکن اگر انسان اپنے آپ کو جان لے تو پھر ساری کائنات اُس کی ذات میں سمٹ آتی ہے۔ ایک فرد کا ادھر ادھر مارا مارا پھرنا، منزل مقصود کے لیے سرگرداں ہونا علامہ اقبالؒ کے موقف کے مطابق اپنی ذات سے بے خبری کی دلیل ہے۔ اگر انسان اپنے آپ کو پہچان لے تو اسے کہیں مارے مارے پھرنے کی ضرورت نہیں۔ منزل خود اس تک پہنچ جائے گی۔ اقبالؒ کا کہنا ہے:

ڈھونڈتا پھرتا ہوں اے اقبال اپنے آپ کو
آپ ہی گویا مسافر، آپ ہی منزل ہوں میں

شعر نمبر 3:

کانپتا ہے دل ترا، اندیشۂ طوفاں سے کیا
ناخدا تُو، بحر تُو، کشتی بھی تُو، ساحل بھی تُو

تشریح: سمندری سفر میں تجھے طوفان کے خیال سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ کیوں کہ ملاح، سمندر، کشتی اور ساحل تو ہی ہے۔

اثباتِ ذات کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ تو خواہ مخواہ طوفان کے آنے سے ڈرتا ہے حالاں کہ تیری ذات ہی میں سمندر بھی موجود ہے، کشتی بھی موجود ہے ملاح بھی موجود ہے اور ساحل بھی موجود ہے۔ کہ انسان ہی اس کائنات میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر وہ اپنی صلاحیتوں سے آگاہ ہو، اگر اسے معلوم ہو کہ قدرت نے اس میں بے پناہ قوتیں پوشیدہ رکھی ہیں تو کوئی خطرہ اس کے عمل کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ اقبالؒ کا کہنا ہے:

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تُو
قطرہ ہے، لیکن مثالِ بحر بے پایاں بھی ہے

کسی بھی فرد کی ترقی کا انحصار عمل اور جدوجہد پر ہوتا ہے۔ اگر انسان مسلسل جدوجہد کرتا رہے تو اُس کی ترقی کی کوئی آخری حد متعین نہیں کی جا سکتی۔ یہی اصول اجتماعی زندگی پر قوموں کی زندگی پر بھی صادق آتا ہے۔ لیکن بعض اوقات انسان کو جان جانے کا خوف ہوتا ہے۔ وہ اپنی عزت غیر محفوظ سمجھتا ہے۔ اولاد کے بارے میں اُس کے دل میں مختلف خدشات ہوتے ہیں۔ وہ اپنی دولت اور مال و جائیداد کو غیر محفوظ سمجھتا ہے تو وہ خاموش ہو کر رہ جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ چاہتے ہیں کہ مسلمان کسی بھی صورت میں جدوجہد ترک نہ کریں۔ چناں چہ انھوں نے تصورِ خودی پیش کیا اور یہ بتایا کہ جب انسان اپنے آپ سے آگاہ ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اُسے جذبۂ عشق بھی حاصل ہو جاتا ہے تو عمل کے راستے میں موجود ہر رکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کے یہاں مردِ مومن کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اس کے رعب و دبدبے سے دریاؤں کے دل دہل جاتے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

ہیں۔

ہر لحظہ ہے مومن، کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے کہ تمھیں کسی طوفان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سمندر اور اس میں موجود ہر چیز تیری ذات کے لیے بنائی گئی ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ تُو اپنے آپ کو، اپنی اصلیت کو اور اپنی حقیقت کو پہچان لے۔

شعر نمبر 4:

دیکھ آ کر کوچہ چاکِ گریباں میں کبھی!
قیس تُو، لیلیٰ بھی تُو، صحرا بھی تُو، محمل بھی تُو

تشریح: عشاق کے جہاں میں مردِ مسلمان مجنوں بھی ہے اور لیلیٰ بھی، صحرا بھی ہے اور کجاوہ بھی۔

اگر تم پر حقیقت منکشف ہو جائے تو تمھیں یہ احساس ہو کہ محبت میں من و تو کی تخصیص بے معنی ہے۔اگر محبت کرنے والوں میں آ کر تم دیکھو تو تمھیں پتا چلے کہ محبت کرنے والے بھی تم ہو، جس سے محبت کر رہے ہو وہ بھی تم ہو، جس کی تلاش جاری ہے اور جس جہان میں تم اُسے تلاش کر رہے ہو وہ بھی خود تم ہی ہو۔ مشرق میں محبت کا تصور عام طور پر نفی ذات سے مشروط ہے کہ محبت کرنے والا محبوب کے سامنے اپنی ذات کی نفی کر دیتا ہے۔اپنے آپ کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا جو تصور دیا وہ بھی نفی ذات پر مشتمل تھا۔

فنا فی المرشد، فنا فی الرسول کی منزلوں سے گزر کر فنا فی اللہ کی منزل تک صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم پہنچتے تھے۔لیکن علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے برعکس اثباتِ ذات پر زور دیا کہ انسان کی اپنی ذات کے علاوہ اور جو کچھ ہے اُس کی اہمیت ثانوی ہے۔چناں چہ وہ قیس اور لیلیٰ کی تلمیح کے ذریعے ہم پر یہ واضح کرتے ہیں کہ اگر حقیقت جاننے والوں کے درمیان تم آ جاؤ تو تمھیں احساس ہو کہ قیس، لیلیٰ، صحرائے عرب اور لیلیٰ کی سواری کا اونٹ کوئی الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں۔یہ ہماری کم علمی یا نادانی ہے کہ ہم نے ایک حقیقت کو مختلف خانوں میں بانٹ دیا ہے۔اور یہ نہیں جانتے کہ خود اپنی تلاش میں ہم اپنے آپ سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔لیلیٰ منزل کی علامت ہے جب کہ صحرا منزل کے حصول کے راستے میں حائل رکاوٹوں کی علامت ہے اور قیس تلاش و جستجو کو ظاہر کرتا ہے۔علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ اگر انسان اپنے آپ سے آگاہ ہو جائے تو منزل کے راستے میں ہر رکاوٹ دور ہو جاتی ہے اور منزل تک اس کی رسائی آسان ہو جاتی ہے۔شرط صرف یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو پہچان لے۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے:

کبھی اپنا بھی نظارہ کیا ہے تُو نے اے مجنوں!
کہ لیلیٰ کی طرح تُو خود بھی ہے محمل نشینوں میں

شعر نمبر 5: (بورڈ 2019ء)

وائے نادانی! کہ تُو محتاجِ ساقی ہو گیا
مے بھی تُو، مینا بھی تُو، ساقی بھی تُو، محفل بھی تُو

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

تشریح: تیری نا سمجھی پر افسوس ہے کہ تو شراب پلانے والے کا محتاج ہو گیا ہے حالاں کہ شراب، پیمانے، ساقی اور محفل تو ہی ہے۔

انسان جب اپنے آپ سے آگاہ نہیں ہوتا تو دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ یہ تمھاری نا سمجھی ہے کہ تم مے پینے کی خاطر ساقی کی ضرورت کو محسوس کرتے ہو ورنہ حقیقت میں شراب بھی تم ہی ہو، صراحی بھی تم ہی ہو، شراب پلانے والے بھی تم ہی ہو اور محفل بھی تمھارے دم سے موجود ہے۔ غرض کائنات کی ہر چیز تمھارے لیے ہی ہے۔ اقبالؒ کا کہنا ہے:

مکانی ہوں کہ آزادِ مکاں ہوں
جہاں میں ہوں کہ خود سارا جہاں ہوں

انسانی زندگی کچھ ضروریات رکھتی ہے جنھیں پورا کرنے کے لیے انسان گروہی زندگی گزارتا ہے لیکن یہ گروہی یا سماجی زندگی افراد کو مختلف طبقات میں بانٹ دیتی ہے۔ بعض طبقوں کو زندگی کی ہر نعمت اور سہولت میسر ہوتی ہے۔ جب کہ بعض طبقات محرومی کا شکار ہوتے ہیں اُن کی یہ محرومی دراصل اپنی صلاحیتوں سے ناواقفیت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر انسان اپنے آپ سے آگاہ ہو جائے، اپنی صلاحیتوں سے واقف ہو جائے تو وہ کسی دوسرے انسان کا محتاج نہیں رہتا۔

اصل میں جب انسان دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے تو اپنا حق حاصل کرنے کے دو ہی طریقے ہوتے ہیں، ایک بزورِ بازو (قوت کے بل بوتے پر) حق حاصل کرنا اور دوسرا اپنے حق کے لیے بھیک مانگنا۔ بزورِ بازو حق مانگنے کے لیے جرأتِ کردار کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض اوقات جان جانے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے دیکھا یہی گیا ہے کہ محروم طبقات مراعات یافتہ طبقات کے سامنے ہاتھ پھیلا دیتے ہیں جس سے انسانیت کی توہین ہوتی ہے۔ جسے علامہ اقبالؒ پسند نہیں کرتے۔

اُٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر

شعر نمبر 6: (بورڈ 19-11-2007)

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تُو

تشریح: اللہ کا غیر ایک تنکے کی مانند ہے جسے تو چنگاری (شرارا) بن کر جلا سکتا ہے۔ تجھے باطل سے ڈرنا نہیں چاہیے کیوں کہ تو اُسے ختم کرنے والا ہے۔

باطل قوتوں سے ڈرنے کی بجائے تمھیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ یا اُس کے مدِ مقابل جو کچھ ہے اُسے ختم کر دے۔ جس طرح آگ خس و خاشاک (گھاس پھونس) کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اس طرح تمھیں بھی چاہیے کہ باطل قوتوں سے ڈرنے کی بجائے ان کے مدِ مقابل آ جاؤ۔ کہ تم ہی نے باطل قوتوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو خلق کیا، زمین پر اُسے اپنا خلیفہ بنانے کا اعلان کیا۔ فرشتوں کو اُس کے سامنے جھکنے کا حکم دیا تو ابلیس نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ چناں چہ وہ مردود قرار پایا۔ اُس نے مہلت مانگی جب مہلت مل گئی تو کہا کہ میں آدمؑ اور اولادِ آدم کو گمراہ کروں گا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے کہا کہ جو ہمارے ہوں گے تو انھیں گمراہ نہیں کر سکے گا۔ چناں چہ اُس دن سے لے کر آج تک حق و باطل کے درمیان کشمکش جاری ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ تمھیں باطل قوتوں سے ڈرنا نہیں چاہیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے کہ حق آیا تو باطل مٹ گیا،

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

بے شک باطل مٹنے ہی کے لیے تھا۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں لیکن ہم نے کتنے ہی معبود بنا رکھے ہیں جنھیں ہم پوجتے رہتے ہیں۔ باطل کی تباہی اور بربادی کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کے علاوہ انسان کسی کے سامنے نہ جھکے۔ یہی حوصلہ علامہ اقبالؒ ہم میں پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ تمھارے ہاتھوں تو باطل نے مٹنا ہے تو پھر تم کس لیے باطل سے ڈر رہے ہو۔ اقبالؒ کا کہنا ہے:

ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تُو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

شعر نمبر 7: (بورڈ 11-2007)

بے خبر! تُو جوہرِ آئینۂ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

تشریح: مسلمان اپنی ذات سے بے خبر ہے ورنہ وہ کائنات کی آب و تاب اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے۔

انسان ہی وہ مخلوق ہے جو صدیوں کا حاصل اور اس کرّہ ارض پر اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے۔ انسان سے کروڑوں سال پہلے یہ کائنات خلق ہوئی۔ یہ اجرامِ فلکی ان میں سورج، کہکشائیں، ستارے، چاند اور ہماری زمین موجود ہے۔ نامعلوم کب سے خلق ہوئیں۔ ان کے علاوہ نباتات، جنات، ملائکہ، حیوانات بھی نامعلوم کب سے موجود ہیں لیکن جب اس کرّہ ارض پر اپنا جانشین اللہ تعالیٰ نے مقرر کرنا چاہا تو آدمؑ کو بنایا اور یہ کہا کہ ہم نے انسان کو بہترین صورت پر خلق کیا ہے۔ انسان کو دوسری مخلوقات سے برتر بنایا گیا۔ علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر انسان تاریخ پر نظر دوڑائے تو اسے یہ احساس ہو جائے کہ ان گنت صدیوں کا حاصل، نچوڑ اور قیمتی موتی انسان کا وجود ہے۔ انسان ہی کائنات کا اصل دولہا ہے جس کے لیے یہ کائنات سجائی گئی ہے اور وہی اس زمانے میں خدا کا آخری پیغام بھی ہے۔

تُو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا، خدا کا ترجماں ہو جا

لیکن انسان اپنے آپ سے بے خبر ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خود آگاہی حاصل کرے جو اقبالؒ کے نزدیک دو چیزوں سے مرکب ہے:

(1) خود شناسی (2) خود انحصاری۔

جب انسان اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے، اپنے وسائل پر انحصار کرتا ہے تو اس کی خودی بیدار ہو جاتی ہے۔ اور پھر تکمیل خودی کے لیے ضبطِ نفس، اطاعت اور نیابت الٰہی کی منزلوں سے گزر کر ساری کائنات کو اپنے اختیار میں کر سکتا ہے۔

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام بادشاہی

جہاں انسان تمام مخلوقات میں افضل قرار پایا اور خدا کا آخری پیغام بنا وہاں اسلام آخری الہامی مذہب ہے جس کے بعد اب اور کسی دین نے نہیں آنا۔ مسلمان اسلام کی نمائندگی کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے تشریح طلب شعر کا ایک امکانی پہلو یہ بھی ممکن ہے کہ مسلمان اس دنیا میں خدا کی طرف سے آنے والے آخری پیغام کو دنیا تک پہنچانے والا ہے لیکن امت مسلمہ اپنی خودی سے محروم ہو گئی ہے۔ اگر مسلمان اپنے آپ کو پہچان لیں تو ساری کائنات ایک مرتبہ پھر ان کے اختیار میں ہوگی۔ اقبالؒ کا کہنا ہے:

مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تُو، جاوداں تُو ہے

☆☆☆☆☆

www.pakcity.org www.pakcity.org

10

ایبسٹر یکٹ آرٹ
(سید محمد جعفری)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
از راہِ مروّت	محض لحاظ ہی لحاظ میں
ستائش	تعریف
اطفال	طفل کی جمع، بچے

خلاصہ:

میں نے تجریدی مصوری کی ایک نمائش دیکھی تھی اور رواداری میں اس کی تعریف بھی کر ڈالی۔ میں اپنی ان دونوں غلطیوں پر آج تک شرمندہ ہوں کیوں کہ وہ تصویریں نہیں تھیں بلکہ آڑی ترچھی سی لکیریں تھیں۔ ایک تصویر میں بھینس کے جسم پر اونٹ کی گردن لگی تھی، اس کی ناک خطرناک تھی۔ اسی طرح ایک صاف ورق پر رنگ گرائے ہوئے تھے اور یہ تصویر بھی نمائش میں رکھ چھوڑی تھی۔ ایسی ہولناک تصویروں کو دیکھ کر بچے ماؤں سے لپٹ لپٹ جاتے تھے۔ مختصر یہ کہ آج تک میں اپنی غلطی معاف نہیں کر سکا۔ یہ نمائش سخت سزا پانے والا کام اور دیوانے کا ایک خواب تھا۔

☆☆☆☆☆

شعر نمبر 1:

ایبسٹر یکٹ آرٹ کی دیکھی تھی نمائش میں نے
کی تھی از راہِ مروت بھی ستائش میں نے

تشریح: تجریدی آرٹ درحقیقت چیزوں کو انفرادی انداز سے دیکھنے کا آرٹ ہے۔ کوئی بھی چیز ہو، کوئی بھی معاملہ ہو، انسان اسے اپنے نظریے سے دیکھتا ہے۔ فن مصوری کا یہ شعبہ درحقیقت ''حقیقت نگاری'' کے برعکس ہے۔ تجریدی آرٹ سے منسلک لوگوں کا موقف ہے کہ جو چیز جیسے نظر آئے ویسے نہیں ہوتی اس کا باطن بھی ہوتا ہے۔ قدامت پرست لوگ زندگی کے کسی بھی شعبے میں آنے والی تبدیلی کی مخالفت کرتے ہیں۔ سید محمد جعفری نے اسی بات کو پیش کیا ہے کہ میں نے تجریدی آرٹ کی نمائش دیکھی اور یہ وضع داری کا تقاضا تھا کہ میں اس کی تعریف کروں سو میں نے کر دی۔ بہت سے افراد صرف رسم نبھانے کے لیے بہت سے کام کرتے ہیں۔ کوئی کسی چیز کے بارے میں جانتا ہے یا نہیں جانتا وہ اس سے تعلق پیدا کرنے کا سوچتا ہے۔ جب تک انسان تجریدی آرٹ کے رموز سے آگاہ نہ ہو تو وہ اس سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ جب تک پوری معلومات نہیں رکھتا اس سے تعلق جوڑنا بے کار ہے۔ بہت سے کام لوگ اپنی مرضی سے نہیں کرتے بلکہ وضع داری نبھاتے ہیں۔ اس لیے اپنی رائے کو چھپا کر اس کی توقعات پر پورا اترتے ہیں۔ یہاں پر ہمیں دونوں باتیں ملتی ہیں۔ شاعر نمائش دیکھنے جاتا ہے اسے نقطۂ نظر کی آگاہی نہیں ہے اس لیے دوسرے لوگوں کا دل رکھنے کے لیے تعریف کر دی۔

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

شعر نمبر 2:

آج تک دونوں گناہوں کی سزا پاتا ہوں
لوگ کہتے ہیں کہ کیا دیکھا تو شرماتا ہوں

تشریح: تجریدی فن مصوری کی نمائش دیکھنا اور تعریف کرنا دونوں ایسی غلطیاں ہیں جو گناہ کے درجے پر ہیں اور اس کی سزا پا تا ہوں۔ معاشرہ جن چیزوں سے مل کر تشکیل پاتا ہے۔ان میں جغرافیائی حالات، نظامِ فکر، وسائل پیداوار اور رسم ورواج شامل ہیں۔لیکن سب سے اہم شے نظامِ فکر ہے جو چیز اس کے خلاف ہو اسے ناپسندیدہ قرار دیا جاتا ہے۔اچھا یا برا سمجھنے کے دو معیار ہوتے ہیں۔ایک انفرادی اور دوسرا اجتماعی۔بعض اوقات ایک معاشرہ کسی چیز کو برا نہیں سمجھتا لیکن بعض افراد اسے برا سمجھتے ہیں۔یہ انفرادی معیار ہے۔کوئی بھی ایسا کام جسے اجتماعی طور پر ناپسندیدہ قرار دیا جائے اور اسے کیا جائے تو ایسا شخص سزا کا حق دار ہوتا ہے۔سید محمد جعفری کا موقف ہے کہ دونوں کام ایسے ہوئے ہیں جو گناہ کے زمرے میں آتے ہیں۔جب لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا دیکھا تو مجھے شرمندگی ہوتی ہے کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔تجریدی فن مصوری ایسی چیز نہیں کہ لوگ اسے سمجھ سکیں اور لوگوں کو سمجھایا نہیں جاسکتا اور پھر اس کی پسندیدگی کا جواز بھی پیدا نہیں کیا جاسکتا۔

شعر نمبر 3:

ایک تصویر کو دیکھا جو کمالِ فن تھی
بھینس کے جسم پہ اک اونٹ کی سی گردن تھی

تشریح: ایک تصویر جسے فنی اعتبار سے عمدہ تصور کیا جارہا تھا۔ایسے لگا جیسے بھینس کے جسم پر اونٹ کی گردن رکھی گئی ہو۔فنونِ لطیفہ میں اعتدال اور توازن کا ہونا ضروری ہے۔فنونِ لطیفہ کی پہلی اور بنیادی شرط توازن اور نظم وضبط ہے۔اگر توازن موجود نہیں تو اسے اس دائرے سے باہر سمجھا جائے گا۔مصوری میں توازن دو طرح سے آتا ہے۔ایک رنگوں کے امتزاج سے اور دوسرا خط، زاویہ، دائرہ اور لکیروں کی ترتیب سے کیوں کہ جو شبیہ بنتی ہے اس میں تناسب کا انحصار ان زاویوں اور دائروں پر ہوتا ہے۔بھینس اور اونٹ ایسے جانور ہیں جو جسامت کے اعتبار سے بالکل مختلف ہیں۔ان کے اجزا ملانے کی کوشش کی جائے تو تناسب برقرار نہیں رہ سکتا۔لیکن تجریدی آرٹ میں اس چیز کو مصوری کی معراج سمجھا گیا ہے۔سید محمد جعفری کے موقف کے مطابق مصوری کی بنیادی شرط اور تقاضے کو پورا نہیں کیا گیا۔کوئی بھی چیز جس میں توازن نہیں ہے تو اس میں حسن ختم ہو جاتا ہے اور اس میں خوب صورتی باقی نہیں رہتی اور بڑی مضحکہ خیز صورت حال سامنے آتی ہے۔

شعر نمبر 4:

ٹانگ کھینچی تھی کہ مسواک جسے کہتے ہیں
ناک وہ ناک خطرناک جسے کہتے ہیں

تشریح: تصویر میں جو ٹانگیں دکھائی گئی تھیں وہ مسواک کی طرح تھیں اور ناک ایسی کہ انسان کو اچھی نہیں لگتی۔حسن اور خوب صورتی کی بنیادی شرط تناسب ہے جو بھی شے ہو جو بھی وجود ہو اس کے اجزا میں ایک تناسب ایک ہم آہنگی اور توازن موجود ہو اگر یہ توازن موجود نہ ہو تو حسن باقی نہیں رہتا۔انسانی چہرے میں انسان کی ناک اور وجود میں ٹانگیں حسنِ انسانی میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔جب ٹانگیں مسواک کی طرح ہوں اور ناک ایسی کہ دیکھ کر ڈر محسوس ہو تو وہ تصویر کسی طرح بھی فن مصوری کا شاہکار نہیں کہلاسکتی بلکہ وہ تو مصوری کے بنیادی تقاضوں کو پورا نہیں کر رہی ہوتی اور کوئی بھی چیز جو حقیقت سے بڑھ کر ہو یا کم ہو تو یہ عام طور پر مضحکہ خیز بن جاتی ہے۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

شعرنمبر5:

ایک تصویر کو دیکھا کہ یہ کیا رکھا ہے
ورقِ صاف پہ رنگوں کو گرا رکھا ہے

تشریح:

انسان جب کوئی کام کرتا ہے تو اس کے پیچھے مقصد ہوتا ہے۔ انسان بغیر مقصد کے کوئی کام نہیں کرتا۔ اگر تصویر میں رنگوں کا تناسب موجود نہ ہو تو وہ تصویر تصویر نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کا کوئی مقصد ہوتا ہے لیکن تجریدی آرٹ میں مصور خود کو ان حدود سے بالاتر محسوس کرتا ہے۔ جو بھی کوئی اسے دیکھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ تصویر نہیں بلکہ کاغذ پر رنگ گرائے گئے ہیں۔ اچھی تصویر کے لیے ضروری ہے کہ اس میں رنگوں کا امتزاج موجود ہو اور اس کا کوئی مقصد ہو اور دیکھنے والے کو یہ معلوم ہو کہ مصور کیا بتانا چاہتا ہے۔ مصور تصویر صرف اپنے لیے نہیں بناتا بلکہ لوگوں کے لیے بناتا ہے۔ اس لیے شاعر ایسی تصویر ماننے کو تیار نہیں۔

شعرنمبر6:

آڑی ترچھی سی لکیریں تھیں وہاں جلوہ فگن
جیسے ٹوٹے ہوئے آئینے پہ سورج کی کرن

تشریح: تصویر کے پردے پر کچھ بے ترتیب خطوط موجود تھے۔ جس طرح شیشے کے ٹوٹے ٹکڑوں پر سورج کی روشنی پڑتی ہے تو مختلف سمتوں میں منعکس ہو جاتی ہے۔ جس طرح تصویر میں رنگوں کا امتزاج ضروری ہے۔ اس طرح سے خطوط اور زاویوں کا امتزاج بھی ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو تصویر تصویر نہیں ہے۔ کوئی بھی چیز جب ٹوٹتی ہے تو ترتیب سے نہیں ٹوٹتی۔ آئینہ ایسی چیز ہے جب اس پر روشنی پڑتی ہے تو مختلف سمت میں منعکس ہو جاتی ہے۔ آئینے کے ٹکڑے مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اس طرح سے چکا چوندی کیفیت پیدا ہوتی ہے لیکن ترتیب نہیں ہوتی۔ تجریدی آرٹ میں جو زاویے اور خطوط ہیں وہ اسی طرح بے ترتیب ہیں اور ان کا ہجوم نظر آیا ہے اور پھر ان میں بے ترتیبی بھی موجود ہے۔

www.pakcity.org

شعرنمبر7:

اس نمائش میں جو اطفال چلے آتے تھے
ڈر کے ماؤں کے کلیجے سے لپٹ جاتے تھے

تشریح: تجریدی فنِ مصوری کو دیکھنے کے لیے جو بچے آئے تھے وہ خوف زدہ ہو کر ماؤں سے لپٹ جاتے تھے۔ تصویروں سے ہر کسی کو دلچسپی ہوتی ہے لیکن بڑوں سے زیادہ بچوں کو دلچسپی ہوتی ہے۔ بچوں کو پڑھانے کا عمل تصویر ہی سے شروع ہوتا ہے۔ بچے لکھنے سے پہلے تصویر بنانا شروع کرتے ہیں لیکن تجریدی آرٹ کو دیکھ کر انھیں خوف محسوس ہوتا ہے کیونکہ انھیں تجریدی فنِ مصوری میں اپنی دلچسپی کی کوئی بات دکھائی نہیں دیتی بلکہ رنگوں، زاویوں اور خطوں کی بے ترتیبی دیکھ کر وہ خوف محسوس کرتے ہیں۔ وہی بچے جو ماؤں سے رنگوں کی اور تصویریں بنانے کے سامان کی فرمائش کرتے ہیں، تجریدی فنِ مصوری کے شاہکار دیکھ کر ڈر کے مارے ماؤں کے کلیجے سے لپٹ جاتے ہیں۔

شعرنمبر8:

الغرض جائزہ لے کر یہ کیا ہے انصاف
آج تک کر نہ سکا اپنی خطا خود میں معاف

تشریح: یہ نمائش دیکھنا ایسی غلطی ہے کہ جب سوچتا ہوں تو خود کو معاف نہیں کر سکتا۔ انسان سے ہر طرح کی غلطی ہو سکتی ہے۔ ایک عربی کہاوت ہے۔ ''انسان غلطی اور بھول چوک کا مجموعہ ہے''۔ انسان عام طور پر اپنی غلطیوں پر غور نہیں کرتا اور اگر اپنی غلطیوں کا احساس ہو بھی جائے تو اہمیت

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

نہیں دیتا۔ انسان خود کو معاف کر دیتا ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ تجریدی آرٹ کی جو نمائش تھی اس کو دیکھنے کا جو گناہ سرزد ہوا ہے آج تک میں خود کو معاف نہ کر سکا۔ انسان ہمیشہ غلطی پر معافی کا طلب گار رہتا ہے اور اپنے آپ سے معافی طلب کرنے کا امکان نہیں ہوتا۔ انسان دوسروں سے اپنی غلطی معاف کراتا ہے اور خود معافی نہیں مانگتا لیکن نمائش کو دیکھنا ایسی غلطی ہے کہ جسے معاف نہیں کیا جا سکتا۔

شعر نمبر 9:

میں نے یہ کام کیا، سخت سزا پانے کا
یہ نمائش نہ تھی اک خواب تھا دیوانے کا

تشریح: تجریدی فن مصوری کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسا کہ دیوانے نے اپنے خواب کو تصویر کے پردے پر ظاہر کیا ہے اور یہ نمائش دیکھ کر سخت غلط کام کیا ہے۔ فن مصوری انسان کے لیے سکون کا باعث ہے۔ فن مصوری ایسی چیز ہے جس کا تعلق انسان کی بصارت سے ہے۔ تصویر ایسی چیز ہے کہ ایک نظر دیکھ کر ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں لیکن یہ نمائش ایک گناہ ہے۔ یہ تصویر دیکھ کر لگتا تھا کہ پاگل شخص نے خواب کو کاغذ پر منتقل کیا ہے۔ جب ایک صاحب عقل خواب کو بیان کرتا ہے تو پورا بیان نہیں کر پاتا تو پھر دیوانے کو اپنے خواب کو بیان کرنا کتنا مشکل ہوگا۔ تجریدی فن مصوری ایسے ہی ہے کہ پاگل کاغذ پر خواب منتقل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن سلیقے سے نہیں کرتا۔

☆☆☆☆☆

www.pakcity.org
pakcity.org EDUCATION

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

11

قطعات
(مرزا محمود سرحدی)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
اَزبر	زبانی یاد کرنا، حفظ کرنا
مفکّر	سوچ بچار کرنے والا
گلفام	پھول جیسے رنگ والا، محبوب
فرمان	حکم
شرع	قرآن وحدیث، اسلامی قانون
ساقی	پلانے والا

قطعہ 1: (بورڈ 2010-2013)

کل ایک مفکّر مجھے کہتا تھا سرِ راہ
شاید تری ملت کا ہے مٹنے کا ارادہ
میں نے یہ کہا اس سے کوئی وجہ بھی ہو گی
بولا کہ تری قوم میں شاعر ہیں زیادہ

تشریح: عبداللطیف المعروف مرزا محمود سرحدی اُردو طنز ومزاح میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری میں عوامی اور معاشرتی مسائل کا منفرد انداز میں مضحکہ اُڑایا ہے۔ زیرِ تشریح قطعہ میں وہ کہتے ہیں کہ کل راستے میں مجھے ایک دانش ور ملا اور کہنے لگا کہ یوں لگتا ہے جیسے تمھاری قوم نے یہ فیصلہ کرلیا ہو کہ اب اس نے مٹ جانا ہے۔ میں نے جب وجہ دریافت کی تو اس نے یہ جواب دیا کہ تمھاری قوم میں روز بروز شاعروں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

جب کسی قوم میں شاعروں کی تعداد بڑھ جائے تو وہ قوم مٹ جاتی ہے۔ شاعروں کے بارے میں مختلف ادوار میں مختلف لوگوں کی مختلف رائے رہی ہے۔ فارسی میں شاعری کو جزوِ پیغمبری کہا گیا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے شاعروں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

> ''شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر تو محض خیالی باتوں کے پیچھے بے مقصد پھرتے ہیں اور شاعر وہ کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں۔'' (الشعرا)

ایسے شعرا جن کا کلام عملی زندگی سے کوئی تعلق نہ رکھتا ہو جو لوگوں کو فرضی اور خیالی دنیا میں لے جائیں۔ ایسے شاعر دنیا وقوم کی تباہی کا سبب بنتے ہیں۔ دیکھا جائے تو کسی بھی قوم میں شاعروں کی کثرت اُس قوم کی تباہی کا سبب بنتی ہے۔ درحقیقت شعر وشاعری کا زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے۔ شاعر جب شاعری میں بامقصد موضوعات زیرِ بحث لاتا ہے تو شاعری قوم کی ترقی کی وجہ بنتی ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے شاعری کے ذریعے ہی اپنی سوئی قوم کو بیدار کیا۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

قوم کی ترقی کے لیے عمل کا ہونا ضروری ہے اور دیکھا یہ گیا ہے کہ شاعر کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ چناں چہ ایسے بے عمل شاعروں کی تعداد میں اضافہ ہونا قوم کی تباہی اور زوال کا پیشِ خیمہ ہے۔ لیکن ہر قوم میں ایسے شاعر بھی موجود رہے ہیں جنھوں نے اپنی قوم کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ علامہ اقبال کے بعد مولانا ظفر علی خاں، حسرت موہانی حتیٰ کہ اختر شیرانی جنھیں رومانی شاعر کے طور پر جانا جاتا ہے وہ بھی کہتے ہیں:

ایک آزاد نفس عمر قفس سے بہتر
یہ صدا آتی ہے میسور کے کہساروں سے

اخباری اشتہار

قطعہ 2:

نوکری کے لیے اخبار کے اعلان نہ پڑھ
جان پہچان کی باتیں ہیں، کہا مان، نہ پڑھ
جن کو ملنی ہو، انھیں پہلے ہی مل جاتی ہے
بس دکھاوے ہی کے ہوتے ہیں یہ فرمان نہ پڑھ

تشریح: اگر آپ کو نوکری چاہیے تو اس کے لیے اخبارات میں دیے گئے اشتہارات پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیوں کہ یہ اشتہارات محض دکھاوے کے لیے دیئے جاتے ہیں۔ نوکری تو تعلقات کی بنیاد پر انسان کو ملتی ہے اور وہ یہ اشتہارات شائع ہونے سے پہلے ہی دے دی جاتی ہے۔

کوئی بھی ملک ہو، معاشرہ ہو۔ معاشرتی نظام چلانے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ کچھ اصول ہوں تاکہ معاشرے کا انتظام بہتر طریقے سے چل سکے۔ جہاں بے اصولی ہو وہ معاشرہ بہت جلد تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ قوانین معاشرے میں موجود افراد چاہے وہ جس بھی طبقے سے تعلق رکھتے ہوں ان کے اطمینان کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ ملازمت ہر شخص کا حق ہے۔ اگر کوئی شخص معیار پر پورا اترے تو اسے اس کا حق دینا چاہیے لیکن یہاں پر ملازمت رشوت یا سفارش کی بنیاد پر دی جاتی ہے۔

سادہ لوح لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اخبار میں شائع ہونے والی ملازمت انھیں مل جائے گی جب کہ درحقیقت یہ تو جن کو ملنی ہوتی ہے پہلے ہی انھیں دے دی جاتی ہے۔ لوگوں کو جائز حقوق دینے کی بجائے غصب کر لیے جاتے ہیں۔ تشریح طلب قطعے میں معاشرے میں موجود بدعنوانی کا پردہ چاک کیا گیا ہے کہ ہمارے یہاں اہلیت کی بنیاد پر ملازمت نہیں دی جاتی بلکہ ذاتی اثر و رسوخ کی بنیاد پر ملازمتوں کی بندر بانٹ ہوتی ہے۔ اپنے منظورِ نظروں کو نوازا جاتا ہے۔ لہٰذا نوکری کے خواہش مند لوگوں کو ان اشتہارات پر یقین نہیں رکھنا چاہیے۔ ہمارے معاشرے میں نوکری ملنا بہت مشکل ہے۔

مختصر یہ ہے کہ شاعر اخبارات کے اشتہارات کا تذکرہ کرتے ہوئے نوکری کے متلاشی افراد کو یہ نصیحت کر رہے ہیں کہ وہ اخبار میں چھپنے والے ان اشتہارات پر یقین کر کے خود کو ذہنی و جسمانی اذیت میں مبتلا نہ کریں کیوں کہ ہمارے معاشرے میں سفارش اور رشوت کے بغیر نوکری ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ اکبر الٰہ آبادی اپنے مشہور قطعہ میں طالب علموں کو یہی نصیحت کرتے ہیں۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

غفلت

قطعہ 3: (بورڈ2010)

اے ساقیِ گل فام بُرا ہو ترا تُو نے
باتوں میں لبھا کر ہمیں وہ جام پلایا
یہ حال ہے سو سال غلامی میں بسر کی
اور ہوش ہمیں اب بھی مکمل نہیں آیا

تشریح:

شراب پلانے والی شخصیت (انگریز) جو پھولوں کی مانند نازک اور خوب صورت ہے۔ اس نے ہمیں شراب کا ایسا پیالہ پلایا کہ سو سال غلامی میں بسر کرنے کے بعد ہم اب بھی ہوش میں نہیں آئے۔

''انسان میں اگر اور کوئی بات قابلِ ذکر نہیں تو یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ انسان غلام رہ کر جینا پسند نہیں کرتا'' اگر تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو یہ آزادی معاشی، تاریخی اور سیاسی جبر سے حاصل کی ہوئی ہے۔ انسان اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ برصغیر میں مسلمانوں نے ہزاروں سال تک حکومت کی لیکن ایک وقت آیا کہ مسلمان زوال کا شکار ہو گئے کیوں کہ مسلمان بے عمل ہو چکے تھے۔ اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو چکے تھے۔ معاشرہ تباہ و برباد ہو رہا تھا۔ ان حالات میں انگریزوں نے مقامی لوگوں کی وجہ سے حکومت قائم کر لی اور مسلمانوں کو سو سال تک غلام بنائے رکھا۔ غلامی میں انسان کو زندگی کی سنگینیوں کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ مسلمان سو سال تک غلام رہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ غلامی میں مسلمانوں کو اپنی ذلت کا احساس ہوتا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ وہ عقل مندی سے کام لیتے لیکن وہ ہوش میں نہ آئے اور اس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان علیحدہ ہو گیا اور اندرا گاندھی کو یہ الفاظ کہنے کا موقع ملا: ''مسلمانوں سے آج ہم نے اپنی ہزار سالہ غلامی کا بدلہ لے لیا ہے۔''

سویرا پھوٹتا تھا جس زمین سے
وہاں اب سانجھ ہو کے رہ گئی ہے
بہت تھا جس کو زرخیزی کا دعویٰ
وہ دھرتی بانجھ ہو کے رہ گئی ہے

شاعر انگریز کو پھولوں کی طرح نازک اور خوبصورت ساقی (شراب پلانے والا) قرار دیتے ہوئے بتا رہا ہے کہ انگریز نے مسلمانوں کو اپنی باتوں میں لگا کر ایسا جام پلا دیا ہے جس سے مسلمانوں کے ہوش و حواس اُڑ گئے ہیں اور وہ غفلت کی نیند سو گئے ہیں۔

مختصر یہ کہ شاعر نے ایک طرف تو انگریز کی چالاکیوں اور چال بازیوں کا ذکر کیا ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کی غفلت اور مدہوشی پر تنقید کی ہے کہ ایک طرف تو انگریز نے اپنی چالاکیوں سے مسلمانوں کو غلامی کے اندھیروں میں دھکیل دیا ہے اور دوسری طرف مسلمان خوابِ غفلت کا شکار ہیں اور انگریز کی غلامی کو قبول کیے بیٹھے ہیں۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

ریڈیو

قطعہ 4:

جن کو انگریز کا قانون ہو ازبر ان سے
اور سب پوچھ مگر شرع کے احکام نہ پوچھ
ریڈیو میں بھی جو قرآں کی تلاوت نہ سنیں
ان مسلمانوں کی اولاد کا اسلام نہ پوچھ

تشریح: وہ مسلمان جو مشرق کی بجائے مغرب سے مرعوب ہیں جنھیں مغربی قوانین زبانی یاد ہوں ان سے اسلامی احکام نہیں پوچھنے چاہئیں کیوں کہ جو افراد ریڈیو پر تلاوت سننا پسند نہ کریں ان کی اولادوں کا اسلام سے کیا تعلق۔

مذہب اور دین کے سوال صرف علم والوں سے کرنے چاہئیں۔ ہمارے معاشرے کا یہ المیہ ہے کہ یہاں ہر کوئی مذہب کے مسائل بیان کرتا رہتا ہے۔ قرآن پاک نے اس رویے کے برعکس یہ حکم دیا ہے کہ اگر تم دین کے معاملے میں بے خبر ہو تو تمھیں صرف اہلِ ذکر اور اہلِ علم حضرات سے پوچھنا چاہیے۔ ارشادِ ربانی ہے:

فاسئلوا اھل الذکرِ اِن کنتم لا تعلمونo ''پس اگر تم علم نہیں رکھتے تو اہلِ ذکر سے سوال کرو''

مرزا محمود سرحدی اس قطعہ میں مسلمانوں کی اولاد پر تنقید کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ آج مسلمانوں کی اولاد میں مذہبی لگاؤ ختم ہو گیا ہے۔ مذہب سے دوری انسان کو پستی کی طرف لے جاتی ہے۔ دنیا میں قومیت کے مختلف نظریات موجود ہیں۔ کہیں جغرافیائی بنیاد پر تو کہیں رنگ و نسل کی بنیاد پر۔ اسلام میں ان سب نظریات کی بنیاد کسی پر نہیں ہے۔

اسلام میں قومیت کی بنیاد مذہب پر ہے۔

ہم نشیں کہتا ہے کچھ پروا نہیں مذہب گیا
میں یہ کہتا ہوں کہ بھائی یہ گیا تو سب گیا

انسان اپنے ماحول کا پروردہ ہوتا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ ''ہر بچہ اللہ تعالیٰ کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین اسے عیسائی، یہودی یا آتش پرست بنا لیتے ہیں''۔ اگر والدین کو مذہب سے دل چسپی نہ ہو تو ظاہر ہے اولاد کو بھی نہیں ہوتی۔ مرزا محمود سرحدی مسلمانوں کی اولاد میں موجود بے دینی اور مغرب پسندی پر تنقید کر رہے ہیں۔

مرزا محمود سرحدی مسلمانوں کی غفلت پر تنقید کر رہے ہیں کہ آج کا مسلمان اور اُس کی اولاد دنیا اور اُس کی رنگینوں میں کھو کر مذہب اور اُس کی روایات بھول چکی ہے۔ یہاں تک کہ آج کا مسلمان اور اُس کی اولاد ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر بھی قرآن کی تلاوت سننا گوارا نہیں کرتی۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

12

لوکل بس

(دلاور فگار)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
ٹھانی	پکا ارادہ کیا
مرغِ گرفتار	پکڑا ہوا پرندہ
گل بدن	پھولوں کے سے بدن والا، نازک بدن
کھڑاؤں	لکڑی کی جوتی

خلاصہ: (بورڈ 2008,09,10,12,17,22ء)

لوکل بس میں سوار لوگ ہار کی طرح لٹکے ہوتے ہیں۔ کوئی گرا ہوتا ہے، کوئی سمٹ سمٹا کر کھڑا ہوتا ہے، کوئی رش میں پھنسا ہوتا ہے۔ کسی کا پاؤں کچلا جاتا ہے تو کسی کا جوتا بدل جاتا ہے۔ گاڑی میں شور اٹھتا ہے کہ ارے کنڈکٹر ڈرائیور کو بس چلانے کا اشارہ دو۔ اگر پیسے کی لالچ ہے تو اور پیسے لے لو۔ اگر لڑنا چاہتے ہو تو باہر نکلو۔ کنڈکٹر کہتا ہے کہ اگر تمھیں اپنے پیسے، جان اور جسم اتنا عزیز تھا تو میری بس میں سوار کیوں ہوئے؟ میں نے تہیہ کرلیا ہے کہ میں کسی سے مرعوب نہیں ہوں گا۔ میں روز روز کی کنڈکٹری سے تنگ آگیا ہوں۔

☆☆☆☆☆

بند 1:

بس میں لٹک رہا تھا کوئی ہار کی طرح
کوئی پڑا تھا، سایۂ دیوار کی طرح
سہما ہوا تھا کوئی، گناہ گار کی طرح
کوئی پھنسا تھا، مرغِ گرفتار کی طرح
محروم ہو گیا تھا کوئی، ایک پاؤں سے
جوتا بدل گیا تھا کسی کا، کھڑاؤں سے

تشریح: لوکل بس میں اتنی بھیڑ بھاڑ ہے کہ بعض مسافروں کو بس میں پاؤں رکھنے کی جگہ بھی نہیں مل رہی بلکہ بس میں یوں لٹک رہے تھے جیسے کھونٹی پر ہار لٹکا ہوا ہو اور بعض مسافر بس میں زیادہ سواریوں کے ہونے کی وجہ سے یوں دیوار سے چپکے ہوئے تھے جیسے سایہ دیوار کے ساتھ ہوتا ہے۔ کوئی یوں ڈرا سہما بیٹھا تھا جیسے اس سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہو اور بعض لوگ یوں تڑپ رہے تھے جیسے کوئی پرندہ دام میں آجاتا ہے۔ بھیڑ اتنی زیادہ ہے کہ اگر کوئی سواری پاؤں اٹھاتی ہے تو پاؤں جوتے میں سے نکل جاتا ہے اور واپس اپنے جوتے کی بجائے کسی دوسرے کے جوتے میں چلا جاتا ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شہروں میں آبادی کا ارتکاز ہو رہا ہے۔ لوگ مسلسل دیہاتوں سے نقل مکانی کر کے شہروں میں آ کر بس

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

رہے ہیں۔ جس سے نہ صرف شہروں کی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے بلکہ مختلف مسائل بھی بڑھ رہے ہیں جن میں سے ایک اہم مسئلہ نقل وحمل کا مسئلہ ہے۔ شہروں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ کے درمیانی فاصلے اتنے زیادہ ہیں کہ لوگ پیدل نہیں جا سکتے۔ ہر آدمی کے پاس اتنے وسائل بھی نہیں ہوتے کہ اپنے لیے گاڑی خرید لے۔ لوگوں کی اکثریت لوکل بسوں پر سفر کرتی ہے۔ اگرچہ ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ لوگوں کے مسائل کو حل کرے اور انھیں زیادہ سے زیادہ زندگی کی سہولیات فراہم کرے لیکن حکومتی ترجیحات میں شاید ابھی یہ معاملہ اہمیت نہیں رکھتا چناں چہ عام مشاہدہ ہے کہ شہر میں بس سٹاپوں پر بھیڑ لگی رہتی ہے۔ لوگوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے ٹرانسپورٹ میسر نہیں ہوتی اور اگر میسر آ بھی جائے تو بے تحاشا بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے سفر کرنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ جب انسان اتنی مشکلات کا سامنا کر کے اپنے دفتر، کارخانے یا کسی بھی ادارے میں پہنچتا ہے تو مزاج میں ایک تلخی اور جھنجھلاہٹ موجود ہوتی ہے۔ چناں چہ اس بیزاری کی وجہ سے وہ اپنی صلاحیتوں کا صحیح اور برمحل استعمال بھی نہیں کر پاتا۔ دلاور فگار ہمارے سامنے لوکل بس کی لفظی تصویر پیش کرتے ہیں جہاں تل دھرنے کی بھی جگہ نہیں۔ جہاں ہر سواری پریشان ہے۔ اپنے آپ کو زحمت میں مبتلا محسوس کرتی ہے۔

بند 2:

گاڑی میں ایک شور تھا، کنڈکٹر آگے چل
کہ دے خدا کے واسطے، ہاں ٹھیک ہے ڈبل
کب تک کھڑا رہے گا سرِ چارۂ عمل
لڑنے کی آرزو ہے تو باہر ذرا نکل
تجھ پہ خدا کی مار ہو، اسٹارٹ کر دے بس
دو پیسے اور لے جو دولت کی ہے ہوس

تشریح: لوکل بس میں ایک ہنگامہ برپا ہے۔ ہر کوئی بول رہا ہے کہ خدا کے لیے بس چلا دو۔ کنڈکٹر کو خدا کے واسطے دیے جا رہے ہیں کہ بڑی دیر ہو گئی ہے اب ڈرائیور کو اشارہ دو کہ بس میں سواریوں کی مطلوبہ تعداد آ چکی ہے۔ آخر کب تک یوں ہی بس کھڑی رہے گی۔ بعض سواریاں جو غصے میں ہیں وہ مرنے مارنے پر اتر آتی ہیں اور کنڈکٹر کو للکار رہی ہیں کہ اگر تم لڑنا چاہتے ہو تو پھر باہر نکلو ہم تمھیں ابھی دیکھ لیتے ہیں۔ بعض سواریاں اسے بددعائیں دے رہی ہیں کہ تمھیں اور تمھاری بس کو خدا تباہ کرے اور بعض اس کے لالچی ہونے پر طنز کر رہی ہیں اور اسے یہ پیش کش کر رہی ہیں کہ اگر تم اس لیے بس نہیں چلنے دے رہے کہ مزید سواریاں آ جائیں اور تم چند پیسے مزید کما سکو تو وہ رقم ہم سے لے لو لیکن اب بس مزید روکو نہیں بلکہ بس چلنے کا اشارہ دو۔

انسان اپنے ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ ماحول خوش گوار ہو تو اس کے مزاج پر بھی خوش گوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اگر ماحول میں کسی طرح کا تناؤ ہو تو انسانی مزاج بھی اسی طرح متاثر ہوتا ہے۔ جب کوئی کام انسان کی مرضی کے مطابق نہ ہو رہا ہو بلکہ انسان اپنے آپ کو بے بس محسوس کر رہا ہو۔ انسان کے مزاج میں جھنجھلاہٹ پیدا ہوتی ہے۔ اس جھنجھلاہٹ کا نتیجہ ہر شخص کے مزاج کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر انسان طاقت و اختیار رکھتا ہے تو ماحول کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے لڑائی جھگڑا کرنے سے بھی نہیں چوکتا۔ اگر کمزور ہے تو منت کرتا ہے، خوشامد کرتا ہے یا پھر کوسنے لگتا ہے۔ دلاور فگار لوکل بس میں موجود سواریوں کی نفسیاتی کیفیت کو ہمارے سامنے رکھتے ہیں کہ بس میں مختلف مزاج کے لوگ موجود ہیں جو اپنے اپنے مزاج کے مطابق کنڈکٹر سے گفتگو کر رہے ہیں۔

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

بند3:

کنڈکٹر اب یہ کہتا تھا، وہ بس چلائے کیوں
جو بس میں آ گیا ہے، کرے ہائے ہائے کیوں
جس کو ہو جاں عزیز، مری بس میں آئے کیوں
ایسے ہی گل بدن تھے تو پیسے بچائے کیوں
ٹھانی ہے دل میں، اب نہ دبیں گے کسی سے ہم
تنگ آ گئے ہیں، روز کی کنڈکٹری سے ہم

تشریح: کنڈکٹر کا موقف یہ تھا کہ وہ اپنی مرضی سے بس چلائے گا۔ اسے بس چلوانے پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ جو بس میں آ کر بیٹھ گیا ہے اسے ہائے ہائے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ اتنا ہی نازک مزاج تھا، اگر اسے اپنی جان اتنی ہی عزیز تھی تو اس نے اس گاڑی میں سفر کرنے کو کیوں منتخب کیا۔ اگر پیسے بچانے ہیں تو پھر میری مرضی کے مطابق ہی سفر کرنا ہوگا کیوں کہ اب میں نے بھی یہ طے کر لیا ہے کہ کسی سے نہیں دبنا کہ روز روز کی بک بک سے میں بھی تنگ آ گیا ہوں۔

دلاور فگار جہاں سواریوں کی مشکلات کو پیشِ نظر رکھتے ہیں وہاں وہ کنڈکٹر کی نفسیاتی کیفیت کو بھی نہیں بھولتے۔ ممکن ہے سواریوں کو روز ہی ایسی صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑتا ہو لیکن اس بات کا بھی امکان موجود ہے کہ سواریاں عام طور پر بہتر ماحول میں بھی سفر کر سکتی ہیں لیکن کنڈکٹر کی زندگی میں یکسانیت ہی رہتی ہے۔ اسے پیٹ پالنے کے لیے بہر حال زیادہ سے زیادہ سواریوں کی ضرورت ہوتی ہے اور سواریاں ہیں جو اسے انسان ہی نہیں سمجھتیں، جو اسے مسلسل برا بھلا کہتی رہتی ہیں۔ ہر انسان کی برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔ جب بات اس حد سے آگے چلی جائے تو پھر انسان تنگ آ کر لڑنے پر، مرنے مارنے پر اتر آتا ہے۔ چناں چہ کنڈکٹر کا موقف یہی ہے کہ اگر آپ بس میں بیٹھے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے پیسوں کی بچت کی ہے۔ آپ نے رکشے یا ٹیکسی پر جانے کی بجائے بس پر بیٹھنا مناسب سمجھا ہے۔ اگر آپ اپنے مزاج کے خلاف کچھ بھی برداشت نہیں کر سکتے تو پھر آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اگر آپ بس میں بیٹھ ہی گئے ہیں تو آرام سے بیٹھیے۔ بس میری مرضی سے چلے گی۔ میری مرضی سے رکے گی۔ اگر یہ آپ کے مزاج پر گراں گزرتا ہے تو آئندہ بس میں مت بیٹھیے گا۔ دلاور فگار کی اس نظم کے آخری اشعار دراصل غالبؔ اور مومنؔ کے مشہور اشعار میں تحریف (تبدیلی) کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

13

وحدانیت
(مست توکلی)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
وحدانیت	واحد ہونا، ایک ہونا، مراد ہے ''اللہ تعالیٰ کا واحد اور لاشریک ہونا''
دید	نظر، نگاہ، مراد ہے نظارہ
یکتا	اکیلا، بے نظیر
سطوت	شان وشوکت
ستار	پردہ پوشی کرنے والا
ساعت	گھڑی
مشفق	مہربان، شفقت کرنے والا
عصیاں	گناہ

www.pakcity.org

خلاصہ: (بورڈ 2011)

اے اللہ تُو اکیلا اور بے مثال ہے۔ کائنات کی بادشاہت تجھے زیب دیتی ہے۔ تُو اگر عذاب دینا چاہے تو ہر طرف تیرے رعب کا چرچا ہو اور اگر تو رحمت پر آجائے تو تیرے جیسا مہربان کوئی نہیں ہے۔ اے پردہ رکھنے والے! میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں سو قیامت کے لمحات میں مجھے اپنے دیدار کی دولت سے نواز۔ اگرچہ میں مجنوں کی طرح دیوانہ ہوں اور میں سرتاپا گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں لیکن میں پھر بھی تیری رحمت کے حصول کا جنوں رکھتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

شعر نمبر 2,1:

اے خدا، تو ہے واحد و یکتا
ہے یہ شاہی فقط تجھے زیبا
تو اگر قہر پر اتر آئے
تیری سطوت کا ہی رہے چرچا

تشریح: اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کائنات کا اقتدار اسی کو جچتا ہے۔ اگر وہ جلال میں آجائے تو پھر مخلوق میں سے کسی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس کے جلال کا سامنا کرسکے۔

قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے کہ جب ہر شے مٹ جائے گی تو ایک صدا بلند ہوگی کہ اب کس کی حکومت ہے تو جواب آئے گا کہ اللہ

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

واحد و قہار کی حکومت ہے۔ ذاتِ الٰہی وہ ہے جو ارادہ کرتی ہے ہو جاتا ہے۔ جو "کن" کہے تو "فیکون" کی منزل آ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اکیلی اور تنہا ذات ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ کائنات کی ہر چیز کو پیدا کرنے والا، شکل دینے والا، روزی دینے والا، زندگی اور موت دینے والا، عزت اور ذلت دینے والا اور بادشاہت دینے اور لینے والا وہی ہے۔ چوں کہ کائنات کی ہر چیز اُس کی محتاج ہے اُس کی مرضی، فیصلے اور حکم کی تابع ہے اس لیے کائنات میں اُس کے سوا کوئی بھی بادشاہت یا بندگی کے لائق نہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

قل اللّھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء ٥

"کہہ دو اے ہمارے اللہ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے، تُو جسے چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے بادشاہت چھین لیتا ہے"

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں بھی یکتا ہے اور صفات میں بھی۔ وہ وہی ہے جو اوّل و آخر ہے۔ وہ ماضی، حال، مستقبل کی ایک ایک چیز سے باخبر ہے۔ وہ ہر عیب اور کمی سے پاک ہے۔ نہ اُس کو نیند آتی ہے نہ اونگھ۔ نہ وہ کوئی چیز بھولتا ہے اور نہ ہی اُسے دھوکا ہوتا ہے۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ جیسی ذات اور صفات کسی میں بھی نہیں پائی جاتیں اس لیے کائنات کی بادشاہت کا مستحق بھی وہی ہے اور یہ بادشاہت بھی صرف اُسے ہی زیب دیتی ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے:

سروری زیبا فقط، اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

جس طرح وہ اپنی شفقت و مہربانیوں میں بے مثل ہے۔ اسی طرح اس کا قہر بھی بے مثال ہے۔ انسانی تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو بے شمار مثالیں ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ کے جلال کی آتی ہیں۔ فرعون جو اپنے آپ کو خدا کہلواتا تھا دریائے نیل کی موجوں کی لپیٹ میں اس طرح آیا کہ ہمیشہ کے لیے عبرت کا نشان بن گیا۔ نمرود نے خدائی کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے مچھر جیسی حقیر مخلوق کو اس پر مسلط کر دیا اور وہ نیست و نابود ہو گیا۔ شداد کو اپنی بنائی ہوئی جنت دیکھنے کی مہلت نہ دی۔ ابراہہ جو ہاتھیوں کا لشکر لے کر آیا۔ ابابیلوں کے ذریعے چھوٹی چھوٹی کنکریاں ان پر برسا کر انھیں کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ نوح علیہ السلام کو عذاب دینے کے لیے زمین اور آسمان سے اتنا پانی نکالا کہ پہاڑوں کی چوٹیوں تک سب کچھ ڈوب گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کو جب اُس نے تباہ کرنے کا ارادہ کیا تو ایک ہی خوفناک چیخ نے اُن کا کام تمام کر دیا۔ اُس نے قومِ عاد پر سات راتیں اور آٹھ دن ایسی تیز ہوا چلائی کہ وہ باوجود اپنے مضبوط بدن کے نیست و نابود ہو گئے۔ قومِ لوط کی طرف اُس نے ایسا فرشتہ بھیجا جس نے اُن کی بستی اُلٹ دی اور اُن پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ اُس نے اصحابِ سبت کو خنزیر اور بندر بنا دیا۔ غرض جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب دینا چاہتا ہے تو اُس کا عذاب بہت شدید ہوتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"بے شک تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے"

مست توکلی کا موقف یہ ہے کہ اگر ذاتِ باری تعالیٰ اپنا قہر نازل کرنے پر آ جائے تو پھر کسی میں یہ ہمت نہیں کہ اللہ کے قہر کا سامنا کر سکے۔

شعر نمبر 5,4,3:

اور اگر رحمتوں پہ مائل ہو
کوئی مشفق نہیں ترے جیسا
قہر و رحمت پہ قادر، اے ستار
میرا مقصد ہے بس ترا جلوا
جب قیامت کی آئے گی ساعت
دید سے اپنی بہرہ ور فرما

تشریح: اللہ تعالیٰ اگر رحمت فرمائے تو اُس جیسا کوئی رحیم نہیں ہے۔ عذاب اور رحمت پر قدرت رکھنے والے، ہمارے گناہوں پر پردہ ڈالنے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

والے میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔ جب قیامت کے لمحات آئیں تو مجھے اپنے دیدار کی دولت سے نواز۔

انسانی فطرت ہے کہ وہ کسی بھی صفت کے کم و بیش کا اندازہ کسی نسبت سے کرتی ہے۔ انسانی رشتوں میں ماں کا رشتہ ایسا رشتہ ہے جو شفقت و مہربانی کے حوالے سے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ ماں اولاد کو خواب میں بھی پریشان دیکھے تو اداس ہو جاتی ہے لیکن ہمارے مشاہدے میں ہے کہ نہ جانے کتنی مائیں ایسی بھی ہیں جو اولاد کو بے یار و مددگار چھوڑ جاتی ہیں۔ جو اولاد کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہیں لیکن خدا کی مہربانی اور شفقت ایسی نہیں۔ وہ اپنے پرائے دوست دشمن سبھی کو اپنی نعمتوں سے بہرہ مند کرتا ہے۔ مخلوق میں سے ہر کوئی دوسرے کے ساتھ اسی وقت اچھی طرح پیش آتا ہے، مہربانی کرتا ہے جب تک وہ اس کی بات مانے، ممنون رہے یا جواباً مہربانی کرتا رہے۔ جب کہ خدا کی مہربانی اس طرح کے تقاضوں سے بالاتر ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

ورحمتي وسعت كل شيءٍ ○ ''اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔''

اللہ کی ذات اپنے دشمن کو ہر وقت معاف کرنے کو تیار رہتی ہے۔ فتح مکہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اہل مکہ میں حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی بھی موجود تھا، ہندہ بھی تھی، جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے کان اور ناک کاٹ کر ہار بنا کر گلے میں پہنا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر چبانے کی کوشش کی لیکن جو معافی کا طلب گار رہا اسے معاف کر دیا گیا۔ فرعون جو ڈوبتے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معافی کا خواستگار رہا اس کے لیے بھی کہا کہ اگر مجھ سے معافی مانگتا تو میں معاف کر دیتا۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات سے کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ وہ دلوں کے بھیدوں کو بھی جانتا ہے لیکن وہ ستار العیوب ہے۔ وہ اپنی مخلوق کی غلطیوں، اس کے گناہوں کو چھپاتا ہے۔ انھیں ظاہر نہیں کرتا۔ مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا غصہ، قہر اور سزا کسی کی بھی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جیسی رحیم اور کریم ہستی بھی نہیں ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرتے بھی رہنا چاہیے اور اللہ کی رحمت کا اُمیدوار بھی ہونا چاہیے۔ ایمان والوں کا راستہ اُمید اور خوف کے درمیان ہے۔ بقول خواجہ میر دردؔ:

ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا
اور دل میں بھروسا ہے تو ہے تیرے کرم کا

اللہ تعالیٰ عذاب دینے اور معاف کرنے دونوں پر قادر ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے معاف کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ

''بے شک تیرا رب مغفرت کرنے والا اور سخت عذاب دینے والا ہے''

مست توکلی کا موقف یہ ہے کہ اے اللہ تُو قہر و رحمت دونوں پر قادر ہے۔ میں تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں اور تیرے غصے اور عذاب سے پناہ چاہتے ہوئے یہ توقع رکھتا ہوں کہ جب قیامت کی گھڑی آئے تو مجھے تُو اپنے دیدار کی سعادت سے بہرہ مند فرمائے گا۔ انسانی فطرت ہے کہ انسان جس ہستی سے محبت رکھتا ہے اسے اپنی آنکھوں کے روبرو دیکھنا چاہتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے دیدار کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ یہ مضمون اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری میں کثرت سے موجود ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے:

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

دنیا میں کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ لاتدركه الابصار ○ ''آنکھیں اُس کو نہیں پا سکتیں۔'' روزِ قیامت جب سورج، چاند اور تارے بے نور ہو جائیں گے تو آسمان پھٹے گا اور اُس میں دروازے بنیں گے۔ میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ جلوہ افروز ہوں گے اور زمین اللہ کے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

نور سے روشن ہو جائے گی۔ بہت سے چہرے اُس دن اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر تر و تازہ ہو جائیں گے۔ وجوہ یومئذٍ ناضرة الی ربها ناظرة ہ ''کئی چہرے اُس دن اپنے رب کو دیکھتے ہوئے کِھل اُٹھیں گے۔'' مست توکلی بارگاہِ خداوندی میں اسی خاص مہربانی کے لیے التجا کر رہے ہیں کہ روزِ قیامت جب آپ جلوہ افروز ہوں تو اِن آنکھوں کو آپ کا دیدار نصیب ہو۔

شعر نمبر 7,6:

مثل مجنوں کے ہوں جنوں ساماں
میرا پیکر گُنہ میں ہے ڈوبا
باوجودیکہ پُر ہوں عصیاں سے
تیری رحمت کا پھر بھی ہے سودا

تشریح: میں مجنوں کی طرح تیری محبت میں دیوانہ ہوں۔ میرا رواں رواں گناہوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ لیکن میں پھر بھی رحمت خداوندی کے حصول کا جنوں رکھتا ہوں۔ جس طرح مجنوں لیلیٰ کو تلاش کرتا رہا ہے۔

انسان نسیان سے ہے جس کا مطلب ہے ''بھولنے والا''۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ عربی مقولہ ہے کہ انسان ہر اُس چیز کا حریص ہے جس سے اُسے منع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو انسان کو گناہوں سے منع کیا ہے اور دوسری طرف اُسے آزمانے کے لیے گناہوں میں کشش اور لذت رکھی ہے۔ انسان شیطانی ونفسانی خیالات سے متاثر ہو کر گناہوں کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے گناہوں کی وجہ سے بحر و بر میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ وہ انسان کو گناہوں کی سزا نہیں دیتے۔ قرآن میں ہے کہ ''اگر اللہ لوگوں کو گناہوں کی وجہ سے پکڑنے لگے تو زمین پر ایک شخص بھی باقی نہ بچے۔'' غرض یہ کہ انسان کے گناہوں کی فہرست بہت طویل ہے۔

انسانی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر واضح کرتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ ہم اسے زمین پر اپنا جانشین بنا کر بھیج رہے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جنوں اور انسانوں کو ہم نے فقط اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ انسانی زندگی عبادت میں اس وقت ڈھلتی ہے جب وہ اطاعت اللہ اور رسول کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی حقیقت ہے کہ انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ انسان ظالم اور جاہل واقع ہوا ہے۔ اپنی جہالت اور ظلم کی وجہ سے انسان خسارے میں رہتا ہے لیکن اس کے سامنے جب عدلِ الٰہی آتا ہے تو وہ اللہ کے دامنِ رحمت میں پناہ لینے کا آرزومند ہوتا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے:

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو، ترے عفوِ بندہ نواز میں

مست توکلی کا موقف یہ ہے کہ میں بری طرح گناہوں کی دلدل میں پھنسا ہوا ہوں۔ میری زندگی غلطیوں پر غلطیاں کرتے ہوئے گزری ہے لیکن میں رحمت خداوندی سے مایوس نہیں بلکہ اس طرح اس کا متلاشی ہوں جیسے مجنوں لیلیٰ کے محل کو ڈھونڈنے میں مصروف رہتا تھا۔ مجنوں جس کا نام قیس تھا عرب قبیلہ بنی عامر سے تعلق رکھتا تھا۔ نخلستان میں جب اُس نے لیلیٰ کو دیکھا تو وہ بے ہوش ہو گیا۔ جب وہ ہوش میں آیا تو اُس نے لیلیٰ، لیلیٰ پکارتے ہوئے صحراؤں کا رُخ کر لیا۔ فارسی اور اردو شاعروں کی روایت میں مجنوں کی یہ تلاش مثالی حیثیت رکھتی ہے کہ اس تلاش میں اس نے اپنا وجود ختم کر لیا۔ آخری لمحے تک وہ مایوس نہ ہوا بلکہ اپنی تلاش جاری رکھی۔ مست توکلی بھی رحمت خداوندی سے مایوس نہیں ہوتے بلکہ توقع رکھتے ہیں کہ اس کی مہربانیاں شاملِ حال ہوں گی اور اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کامیابی حاصل ہو جائے گی۔

www.pakcity.org www.pakcity.org